انتم الاعلون ان کنتم مومنین

ہمجولی

فرینڈز سرکل کراچی

(رجسٹرڈ)

۲.۰۰

"MEMBERS OF FRIENDS CIRCLE (Regd.)"

"GROUP PHOTO"

– 1966 – 67 –

CamScanner

"EXECUTIVE COMMITTEE" "FRINEDS CIRCLE 'REGD.' 1966-67."

Mohi-ud-din Baqai
V. President

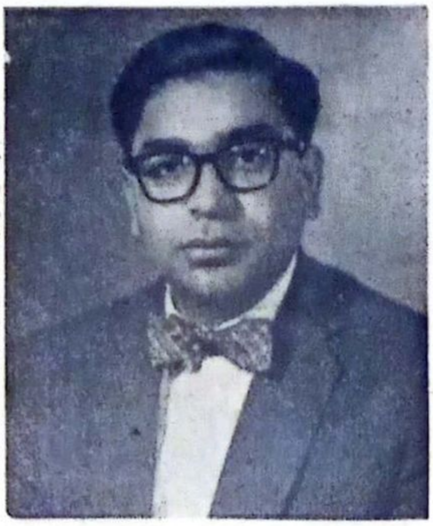

Dr. Farid-ud-din Baqai
President

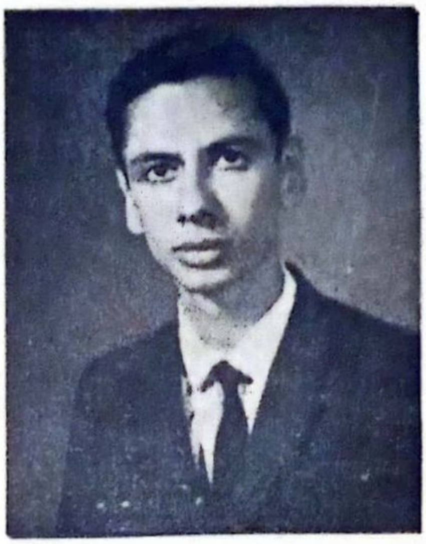

Haroon Akhtar
Gen. Secretary.

Shakil Ahmed Artiqai
Joint Secretary

Jawwad Hussain Ajazi
Lit: Secretary.
Editor: "Ham-Khayal"

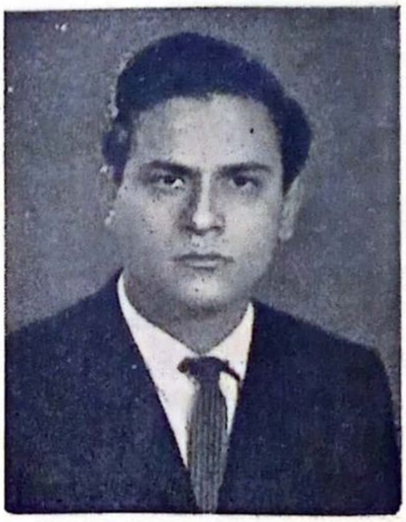

Roshan Akhtar
Social Secretary

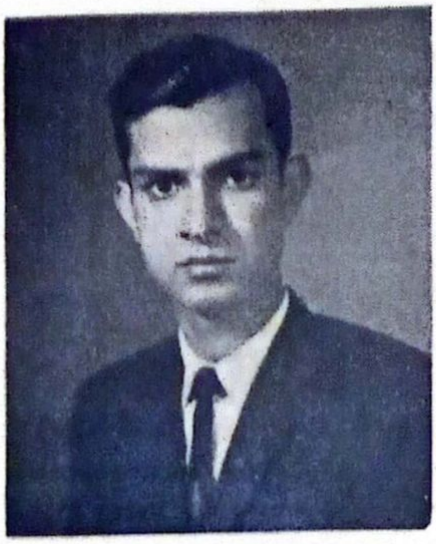

Aziz Hasan Jilani
Prop. Secretary.
Souvenir Committee's member.

Insha-ur-Rahman
Sports Secretary

Mohd. Jibrail Zakai
Cashier
Souvenir Committee's member.

CamScanner

"CHOWDRIES"

Ch. Mohd. Ishtiaq

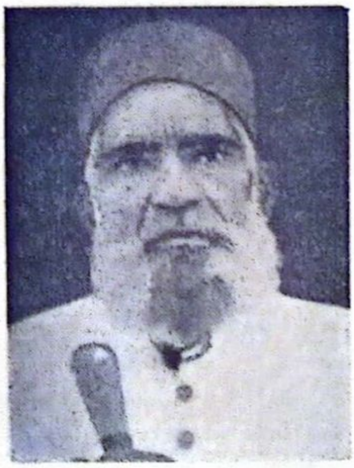

Ch. Mohd. Saeed

"ALA-MAJLIS"

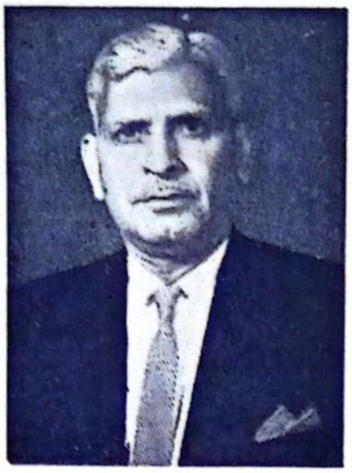

Maqsood Hussain
(President)

Mohd. Taqi (Gen. Sec.)

"BAZM-E-ADAB"

Manzoor Hussain
(President)

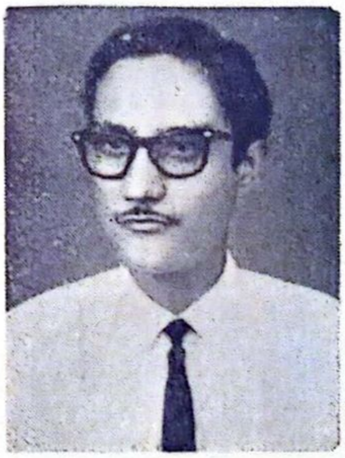

Mohd. Fazil (Gen. Sec.)

"HOUSING SOCIETIES"

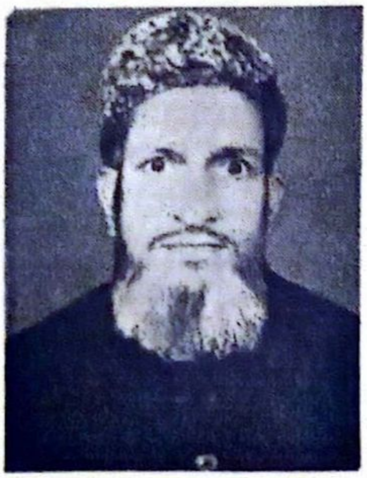

Hamid Hussain (Sec.)
"Ahbab-e-Sadiq"

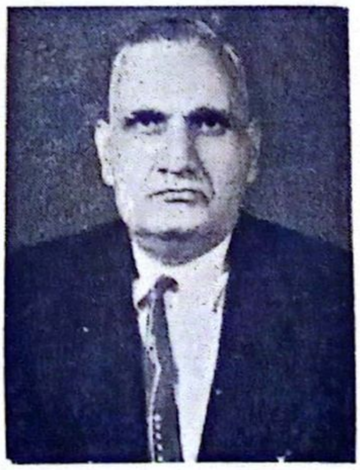

Sh. Fazal-e-Ellahi (Pres.)
"Dehli Hakiman Soc. Ltd.,"
"Ahbab-e-Sadiq"

Mohd. Hanif (Secretary)
"Dehli Hakiman Soc. Ltd.,"

CS CamScanner

Haseen Ahmed Gulzar
Chief member of
Souvenir Committee

Ayaz Ahmed
Souvenir Committee member

ACTIVITIES OF "FRIENDS CIRCLE"

"STUDENTS PARTY"

IFTAR PARTY

PICNIC (Sandspit)

"ROLL OF HONOURS"

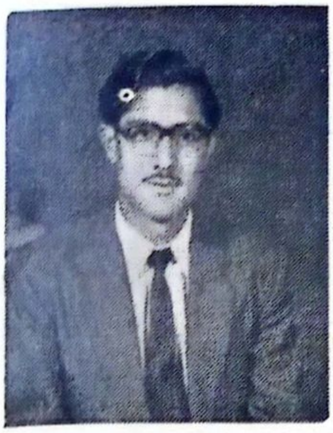

Mohd. Ashiqeen
Cast Accountancy (U.K.)

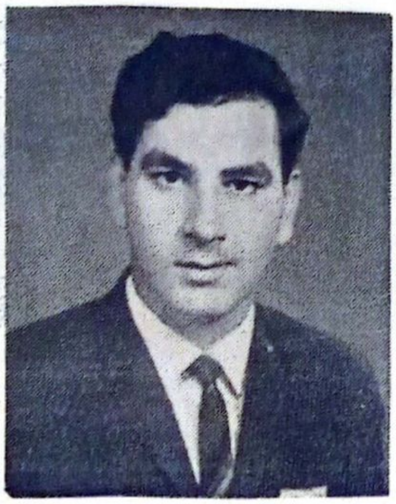

Zia-ul-Ansar
M.B.,B.S. (Sind). "3rd position"

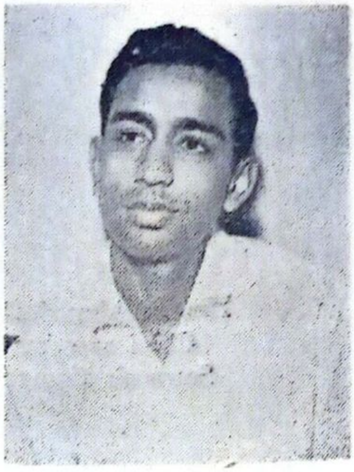

Allauddin M.S. Civil (U.S.A.)

Azamuddin Baqai
went to Canada for M.S.
(Phar. Chemistry)

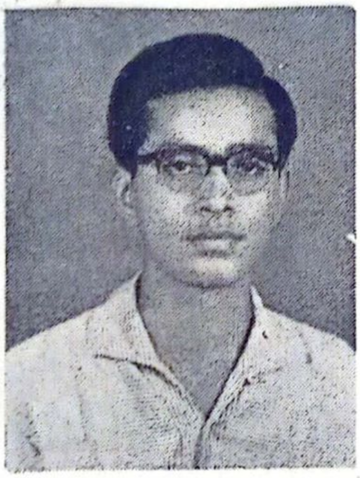

Khalid Cosser
3rd yr. Engg. "2nd position"

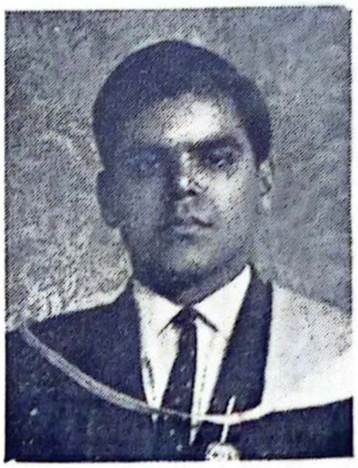

Allauddin Javed
went to Canada for M.S.
(Tele.-Communication)

Dr. Mohd. Akhtar
Returned from U.S.A.

Sajid Parvez
Community's Highest Marks
holder in Matric.—1965-66.

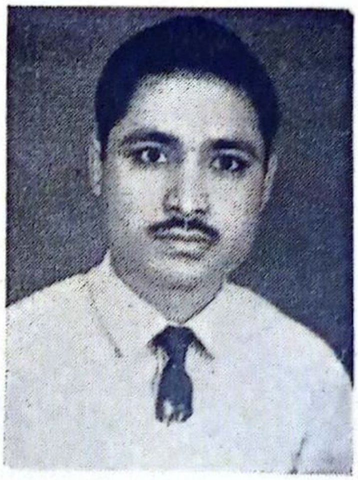

Mohd. Saeed
Champion in Athletics

CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم خیال
سوینیر

۱۹۶۶-۶۷ء بمطابق ۱۳۸۵-۸۶ ہجری

سوینیر کمیٹی

مدیر: جواد حسین اعجازی

معاونِ خصوصی: حسین احمد گلزار
عزیز حسن جیلانی

دیگر معاونین: عیاض احمد
محمد جبرائیل ذکائی

فرینڈز سرکل (رجسٹرڈ) کراچی

CamScanner

رُخِ انجمن

پیام عید ۔	ڈاکٹر فرید الدین بقائی	۵
احوالِ واقعی ۔	جواد حسین اعجازی	۴

اسلامیات

خداوند قدوس	حبیب بخش جوش	۳
رحمت اللعالمین	نورالہی	۵۹
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	زاہد حسین اعجازی	
روزہ کا معاشرتی پہلو	صبیح الدین بقائی	۲۹
مرد عورتوں کے نگہبان ہیں ۔	حافظ حفیظ الرحمٰن	۴۸

رپورٹنگ ۔

فرینڈز سرکل	ہارون اختر	۶
تعلیمی جائزہ	جواد حسین	۱۵
بزم ادب ۱۹۶۶ء	عیاض احمد	۲۹
بزم خواتین	مسرت زکی احمد	۲۷

مضامین ۔

برادری کی خواتین سماجی سطح میں ۔	محمد صغیر	۲۵
آرائش خانہ	نورالصباح حنیف	۵۷
ہمارے معاشرے میں پردے کی اہمیت ۔	شکیل احمد	۶۲

تقاریر و تاثرات ۔

درخشاں ستارے ۔۔۔۔ منزل	جواد حسین اعجازی	۱۵
پیغام عمل	مقصود حسین	۳۳
بغیر عنوان کے ۔	ڈاکٹر معین الدین بقائی	۳۰
ایک خیال	خالد کوثر	۴۳
اعلان	محمد حنیف	۷۱

طنز و مزاح ۔

میں نے سیاست میں حصہ لیا	شاہد حسین اعجازی	۲۳
ہم خیال اور ہم	عیاض احمد	۲۵
وہ !	جبرائیل احمد ذکائی	۳۲

سیاحت ۔

ثبات ایک تغیر کو ہے	ڈاکٹر محمد اختر	۹

افسانہ ۔

حقیقی ایثار ۔	حسین احمد گلزار	۳۴

نفسیات ۔

بچے اور کھیل	فرزانہ منصور	۵۱

سیاسیات ۔

اقوام متحدہ	سلطان احمد	۵۳

احوالِ واقعی

عیدالفطر کے پُرمسرت موقعہ پر تہنیت کے ساتھ "ہم خیال" پیش خدمت ہے۔

گلدستہ "ہم خیال" کو ہم نے اپنی انتہائی کوشش کے ساتھ حسین پھولوں، شگوفوں اور کلیوں سے سجایا ہے اس میں تنوع بھی ہے اور جدت بھی۔ اس میں ادب کے سنجیدہ موضوعات بھی ملیں گے اور ہلکا پھلکا طنز و مزاح بھی۔ معاشیات اور مذہب بھی۔ تفصیلی تعارف ضروری نہیں۔ اس لئے کہ "ہم خیال" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجموعی طور پر ہماری جستجو رہی ہے کہ اس کو دلچسپ، معلوماتی اور معیاری بنائیں۔ امید ہے کہ "ہم خیال" آپ لوگوں کا حقیقی "ہم خیال" ہوگا۔

"ہم خیال" اصل میں برادری کے تمام افراد کو موقعہ فراہم کرتا ہے کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ اہل قلم حضرات اپنی کاوشیں اور نئی روشنی اپنی چمک سے ظاہر کر سکے۔ اس لئے ضروری ہے کہ سب لوگ اس میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں۔

میں ان تمام حضرات خصوصاً جناب حبیب بخش صاحب ہوتری کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس میں انتہائی دلچسپی لی اور سرپرستی کرتے ہوئے ہماری حوصلہ افزائی کی۔

سونمر کے معاونین کا اور خصوصاً جناب حسین احمد گلزار صاحب کا ممنون و معترف ہوں کہ انہوں نے ہر قدم پر میرا ساتھ دیا۔ مقدور بھر ہم خیال کو عمدہ اور بہتر بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن بے عیب تو خدا کی ذات ہے اگر کچھ عیوب رہ گئے ہوں تو نظر انداز فرما کر مزید شکر گزاری کا موقعہ دیں۔

شکریہ

مخلص

جواد حسین

خداوند قدوس

اے خداوند قدوس! جب میں تیری تعریف لکھنے کا منصوبہ باندھتا ہوں تو میرا جسم تھر تھرانے لگتا ہے کہ تیری ذاتِ اقدس کی حمد و ثنا اور آہ! میری ہستی پُر از گناہ ...... کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔ میرا رُواں رُواں تو پہلے ہی گناہوں میں لتھڑا ہوا ہے۔ میری عمر تو نافرمانیوں میں گزری ہے مجھ سے تو قدم قدم پر لغزشیں سرزد ہوتی ہیں، جس سے میرے سارے جسم پر تو وہ داغ ہیں جو چھپائے سے نہیں چھپتے اور وہ دھبے ہیں جو دھوئے نہیں دھلتے .... ہاں اگر تو چاہے تو اپنی رحمت کے پانی سے میرے جسم کے ان داغ دھبوں کو دھو کر پاک و صاف کر سکتا اور میرے اضطراب کو دور کر سکتا ہے جس کی توقع مجھے تجھ سے اور صرف تجھ سے ہی لازم ہے۔

اے پردہ پوش آقا! میں نادم ہوں، شرمسار ہوں، مجھے اپنی تمام معصیتیں قبول، اقرار کرتا ہوں، یکسر تسلیم ہیں۔ اپنے پیارے حبیب کے صدقے میرے عیوب کو اپنی رحمت کی چادر میں چھپا لے کہ تو ستار العیوب ہے۔

اے معبودِ حقیقی! آج تک میں نے اپنی تمام عمر بے کاری میں کاٹ دی اور ساری زندگی یونہی گم صُم گزار دی ...... تو مجھ نااہل پر فضل فرما ...... اور میری نگارشات کو ان اسالیب سے نواز جو تیری بارگاہ میں قبولیت حاصل کر سکیں کہ میں کچھ تو تیری ستائش لکھ سکوں .... مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے وا کر دے اور مجھے چشمِ بینا عطا کر کہ تیری تجلی کی طرف دوڑوں، اور تیری چوکھٹ پر اپنے سر کو وقفِ سجدہ کر دوں اور کیے جاؤں .... اپنی مغفرت چاہوں اور چاہے جاؤں، کوتاہیوں پر آنسو بہاؤں اور بہاتا رہوں .... اور جب تک تیری رضا اور خوشنودی نہ حاصل کر لوں اس وقت تک اپنے سر کو سجدے سے نہ اٹھاؤں کہ شاید یہی عمل میری آخرت کیلئے توشہ بن سکے۔

آمین ثم آمین!!

ہوشؔ دہلوی

پیامِ عید

فریدالدین بقائی

فرینڈز سرکل کے جملہ اراکین اور اس کے وسیع تر حلقہ ہمدرداں کی خدمت میں میں عید کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

فرینڈز سرکل کو قائم ہوئے آج بارہ سال سے زائد گذر چکے ہیں اس عرصہ میں اس ادارہ نے قومی یکجہتی اور نئی نسل میں یگانگت اور قومی اقدار سے وابستگی پیدا کرنے میں ایک اہم اور نمایاں کردار ادا کیا ہے اس طویل مدت میں سرکل کو کئی بار نشیب و فراز کا سامنا کرنا پڑا۔ اس اثناء میں ایک دور ایسا بھی آیا جب ابتدائی کامیابیوں کے بعد یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ تنظیم بھی حالات کا شکار ہو جائے گی۔ لیکن بفضل تعالےٰ آج سرکل کی رکنیت ۸۲ تک پہنچ چکی ہے اور نئے خون کی آمیزش سے یہ ادارہ ہمیشہ سے زیادہ سرگرم عمل ہے۔

لیکن ہمیں یہ نہیں فراموش کرنا چاہیئے کہ ایک مرکزی جگہ کی عدم موجودگی کسی وقت بھی ہماری تنظیم کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے ہم وہ وقت نہیں بھول سکتے جب پرانی عمارت سے نکل کر ہم سالوں خانہ بدوش رہے اگرچہ احباب کا جذبہ محبت ان کو ملنے پر اکساتا رہا تاہم وہ روایات کچھ عرصہ کیلئے معطل ہو کر رہ گئیں تھیں اب عارضی طور پر ہم پھر آباد ہیں لیکن مستقل طور پر اس سرکل کے جغرافیائی مرکز کی تلاش جاری رہنی چاہیئے ہم کو اس ضمن میں اپنی کوششیں تیز تر کر دینی چاہئیں۔

آیئے آج اس مبارک موقع پر ہم اپنا عزم دوبالا کریں کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہیں گے۔

خیر اندیش

فریدالدین بقائی

صدر فرینڈز سرکل۔ کراچی

فرینڈز سرکل (سالِ رواں کی سرگرمیاں)

ہارون اختر
جنرل سیکرٹری

فرینڈز سرکل نے ترقی کی راہ میں ایک اور منزل طے کر لی۔ اپنے گیارہ سال کامیابی کے ساتھ عبور کرنے کے بعد اب اس نے بارھویں سال میں قدم رکھ لیا ہے۔

سرکل کا سال چودہ اگست ــــــ یوم آزادی کے مبارک دن سے شروع ہوتا ہے۔ اسی دن سالانہ اجتماع کے موقع پر پہلی منتظمہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوتی ہے اور آنے والی منتظمہ اپنی سرگرمیوں کا آغاز کرتی ہے۔ امسال سالانہ اجتماع کیفے شیراز میں منعقد ہوا جناب محفوظ الدین بقائی الیکشن آفیسر کے زیر اہتمام الیکشن منعقد ہوا۔ اور حسب ذیل افراد منتخب قرار دیتے گئے۔

صدر	:	ڈاکٹر فرید الدین بقائی صاحب
نائب صدر	:	محی الدین بقائی صاحب
جنرل سیکرٹری	:	ہارون اختر صاحب
جوائنٹ سیکرٹری	:	تشکیل احمد ارتقائی صاحب
خزانچی	:	محمد جبرائیل ذکائی صاحب
سوشل سیکرٹری	:	روشن اختر صاحب
اسپورٹ سیکرٹری		انشار الرحمٰن صاحب

لٹریری سیکرٹری کے عہدہ کیلئے کوئی کاغذ نامزدگی پیش نہیں کیا گیا تھا اس لئے دستور کے بموجب صدر سرکل کے مجلس منتظمہ کے مشورہ سے جناب جوّاد حسین اعجازی صاحب کو اس عہدے کے لئے نامزد کر دیا گیا۔

نئے عہدیداران نے ۱۴ اگست ۱۹۶۶ء کو اپنے عہدے سنبھالتے ہوئے عہد کیا کہ وہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں جماعتی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیں گے اور حتی الامکان کوشش کریں گے کہ اس اعتماد کو حق بجانب ثابت کر دیں۔ جس کا اظہار عام ممبران نے انھیں اپنے نمائندے منتخب کر کے کیا ہے۔

بجٹ کی منظوری

ہمارے دستور کی رو سے پورے سال کے آمد و خرچ کا تخمینہ مجلس منتظمہ کی جانب سے جنرل باڈی میں پیش کیا جاتا ہے۔ ہر سیکرٹری اپنے متعلقہ شعبہ کے پروگراموں کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اور پورے غور و خوض کے بعد بجٹ منظور ہوتا ہے۔ جس کے مطابق مجلس منتظمہ پورے سال کام کرتی رہتی ہے۔

جناب محی الدین صاحب بقائی نے ۶ر ستمبر ۱۹۶۶ء کے جلسۂ عام میں ۶۷-۱۹۶۶ء کے لئے بجٹ پیش کیا۔ جس کے جملہ پہلوؤں پر پوری طرح کھل کر بجٹ ہوئی اور یہ بجٹ مکمل طور پر پاس ہوگیا۔

اس بجٹ کی رو سے کل اخراجات کا تخمینہ ۵۶ - ۳۲۸۲ روپے ہے اور کل آمدنی کا اندازہ ۰۰ - ۳۳۵۶ اس طرح بجٹ ۴۴ - ۷۳ روپے ہے۔

یوم دفاع

امسال ۶ر ستمبر ۶۶ء کو یوم دفاع منایا گیا اس موقعہ پر ممبران نے ایک منٹ خاموش رہ کر اپنے فوجی بھائیوں کو ایصال ثواب پہونچایا۔ نظمیں اور تقریریں ہوئیں اور ممبران کی تواضع چائے وغیرہ سے کی گئی۔

طلبا پارٹی

خاصے عرصے کے بعد امسال طلباء کے اعزاز میں ایک پارٹی جناب محمد منصور صاحب کے مکان پر دی گئی۔ اس میں نہ صرف طلباء بلکہ دیگر افراد قوم بھی مدعو تھے۔ تاکہ نہ صرف ہم نوجوانوں میں باہمی یگانگت کے جذبات فروغ پائیں بلکہ ہمیں اپنے بزرگوں سے بھی رابطہ بڑھانے کا موقعہ ملے۔ وہ ہماری سرگرمیوں اور کارگزاریوں کا جائزہ لیں۔ اور ہم ان کے مفید مشوروں سے مستفیض ہوسکیں۔

تنگیٔ وقت کے لحاظ سے پہلے ضیافت کی گئی۔ اس کے بعد۔ اعلیٰ مجلسِ انتظامی کے صدر جناب مقصود حسین صاحب نے اس جلسہ کی صدارت کی۔

افتتاح جلسہ تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ اس کے بعد جناب صدر نے تقریر فرمائی۔ اور آخر میں لٹریری سیکرٹری جواد حسین صاحب نے تعلیمی رپورٹ پیش کی۔ اس جلسہ کی شرکاء کی تعداد تقریباً ایک سو افراد پر مشتمل تھی۔

پکنک و سوشل نائٹ

پہلی مرتبہ ۱۵ اور ۱۶ ر اکتوبر کی درمیانی شب کو برنس روڈ پر سوشل نائٹ منائی گئی اس سال سوشل نائٹ کی نوعیت سال ہائے ماسبق سے مختلف تھی۔ یعنی اس مرتبہ سابقہ کی طرح ممبران اپنے اپنے کھانے گھروں سے ساتھ نہیں لائے۔ بلکہ کبابی کا انتظام کر کے "تکے" کے کباب تواضع میں پیش کئے گئے۔ جسے سب نے بہت پسند کیا۔

دوسری مرتبہ پروگرام کے مطابق ایک پکنک ساحل سمندر سینڈزپٹ پر ۲۳ نومبر ۶۶ء کو منائی گئی۔ اجتماع کیماڑی پر ہوا۔ اور چاندنی رات میں موٹر بوٹ کا سفر نہایت خوشگوار رہا۔ اس کے علاوہ حسب معمول متعدد قسم کی دلچسپیاں بھی رہیں اور پکنک نے بغیر کسی ناخوشگوار کنٹومیٹی کے دوسرے روز شام کے وقت اختتام پایا۔

افطار پارٹی

فرینڈز سرکل کی یہ دیرینہ روایت ہے کہ کہ رمضان المبارک میں ممبران کو ایک افطار پارٹی دی جاتی ہے۔ چنانچہ سال ۱۹۶۶ء میں بھی ۲۵ ر دسمبر کو افطار پارٹی کا انتظام ہوا۔ پارٹی مذکورہ میں تقریباً ساٹھ ممبران نے شرکت فرمائی اور یہ

پارٹی جناب محمد منصور صاحب کی رہائش گاہ پر ترتیب دی گئی۔

اس تقریب کے انتظامات سوچی سمجھی ہوئی تجویز کے ماتحت ہوتے رہے۔ پانچ بجے کے قریب مدعوئین کی آمد شروع ہوکر تھوڑی ہی دیر میں اکثر کرسیاں پُر ہوگئیں۔ لوگ آپس میں مصروف گفتگو تھے۔ کارکنان فرینڈز سرکل افطار کا سامان میزوں پر نہایت سلیقہ اور سرعت سے لگانے میں منہمک تھے۔ یہ کام باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ انجام پا رہا تھا اور دوران افطار اگر کسی صاحب کو کسی چیز کی ضرورت پیش آتی تھی تو وہ اس کو آسانی کے ساتھ حاصل کرسکتے تھے۔

افطاری سے فارغ ہوکر نماز باجماعت ادا کی گئی اور اس کے بعد لوگ پھر کرسیوں پر بیٹھ گئے کہ چائے کا دور شروع کیا جائے۔ چائے سے فراغت ہوکر اسٹوڈیو میں ممبران سرکل کا گروپ فوٹو ہوا۔ اور اس کے شرکاء کی تعداد سرکل کی تاریخ میں سب سے زیادہ تھی۔

دیگر مصروفیات

فرینڈز سرکل کے مقام کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ قوم کے نوجوان آپس میں گھل مل جائیں اور ان میں یگانگت قائم ہو تاکہ بیگانگی اور اجنبیت جاتی رہے۔ وہ ایک دوسرے کے خوشی اور رنج میں شریک ہونے کی عادت ڈالیں۔

سرکل کے دو ممبران محی الدین صاحب بقائی اور انوار احمد صاحب ذکائی کی شادی کے موقعہ پر جملہ ممبران سرکل مدعو تھے محی الدین صاحب اور انوار صاحب کی خوشی ہم سب کی خوشی تھی اس لئے ہم سب پورے خلوص کے ساتھ ان خوشیوں میں شریک ہوئے۔

ہم اس امر کا اظہار بڑے فخر کے ساتھ کرتے ہیں کہ اس وقت ہمارے ممبران کی تعداد چھہتر تک تک پہونچ گئی ہے۔ یہ تعداد سرکل کے گزشتہ سالوں میں سب سے زیادہ ہے امید ہے آئندہ لوگ اور زیادہ دلچسپی لے کر سرکل کو فروغ پہونچائیں گے۔

بقیہ صفحہ ۵۸ کا

کوٹ کے نچلے حصے میں جو عموماً خالی رہتا ہے درازیں بنوا سکتے ہیں۔ تاکہ بچے کی روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں اور کپڑے اس میں رکھ دیں۔

آرائش خانہ ایک آرٹ ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے یہ ایک فطری امر بھی ہے اور اکتسابی بھی اس لئے ہم خواتین کو لازم ہے کہ ہمیشہ بہتر سے بہتر آرائش کے لئے کوشاں رہیں۔

ثبات ایک تغیر کو ہے

ڈاکٹر محمد اختر

آئن اسٹائن کے نظریہ اضافی (RELATIVITY) نے جو تہلکہ دنیائے طبیعیات اور دنیائے افکار میں مچایا وہ کچھ عیاں ہی ہے مگر ایک اور نظریہ اضافی نے جو ANTHROPOLOGY میں انقلاب برپا کیا اس کا اندازہ (ہمارے سماج میں بالخصوص) کم ہی ہوا ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ ایک معاشرہ کے طور طریقے۔ طرز حیات اور انداز حق و باطل جداگانہ ہوتے ہیں اور اس معاشرے کے حالات سے ہی مخصوص ہوتے ہیں۔ جوں جوں یہ حالات بدلتے ہیں اقدار بدلتی جاتی ہیں۔ یہ نظریہ اگرچہ کافی تلخ و تکلیف دہ محسوس ہوتا ہے مگر بڑی حد تک صداقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

تلخ و تکلیف دہ اس وجہ سے کہ پھر انسان اقدار پر جس شدومد اور قطعیت ABSOLUTISM سے ساتھ یقین کرنا چاہتا ہے وہ نہیں کر سکتا سوائے ان چند بنیادی صفات پر جو عالمی حیثیت کی حامل ہیں۔

اس نظریہ کی صداقت کا واضح نقش ایک ہی صورت سے بیٹھ سکتا ہے وہ یہ کہ انسان اپنا ایک مروجہ معاشرہ چھوڑ کر دوسرے مختلف معاشرہ میں ایک کافی عرصہ تک سانس لینے لگے۔ شروع میں اس کا اس مختلف فضا میں دم گھٹنے لگتا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے گویا اس کی روح کھینچی جا رہی ہو اسے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ان چیزوں کو جنہیں وہ انتہائی بنیادی سمجھتا تھا اور تقدس کی نگاہوں سے دیکھتا تھا انہیں ہر شخص ایک فقدان احساس کے ساتھ پامال کرتا ہے جیسے ان کی کوئی اہمیت نہ ہو اور بعض جزوی چیزوں کو انتہائی بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔

وہ کچھ عرصہ تک تو یہ کہہ کر اپنے آپ دلاسا دیتا رہتا ہے کہ یہ دوسری معاشرت کے لوگ کچھ زیادہ عقل مند نہیں یا ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی وغیرہ وغیرہ۔

مگر بہت عرصہ تک یہ دلاسا ساتھ نہیں دیتا۔ اگر ذرا بھی انسان ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا معاشرہ بھی اسے کافی با حکمت معلوم دیتا

ہے اور وہ بہت سی باتیں جن کی وہ سطحی انداز سے سمجھے بغیر ہنسی اڑایا کرتا تھا قابل مضحکہ نہیں معلوم ہوتیں۔ ہزاروں لوگ اُس معاشرے میں بھی ایسے مل جاتے ہیں جو نہ صرف یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم بھی ہدایت یافتہ ہیں بلکہ اپنے خلوص عمل اور شدتِ ایمان سے اس دعوے کی تائید بھی کرتے ہیں۔

اس ذہنی خلفشار اور ہیجان قلب میں ایک یقین ہویدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے معاشرے کی پیداوار ہیں۔ اور وہ خود اور اس کی شخصیت اس کا قلب و دماغ اس کا ایمان و عمل کافی حد تک اس وجہ سے ایک خاص طرز کے ہیں کہ اس نے ایک مخصوص معاشرہ میں نشوونما پائی تھی۔

مجھ سے ایک مرتبہ بڑے خلوص سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ میں نے امریکہ میں اپنے قیام کے دوران میں کیا نئی باتیں سیکھیں جنہیں میں اہم سمجھتا ہوں۔ اس کا جواب میں نے یہ دیا تھا کہ مجھے اس نظریہ اضافی میں جتنی صداقت امریکہ کے دوران قیام میں محسوس ہوئی اتنی پہلے اپنے وطن میں محسوس نہیں ہوئی اور یہ کہ ایک معاشرہ کے مسئلہ کا حل دوسرے معاشرے سے جزوی طور پر مستعار کوئی لے کر کرنا چاہے تو یہ انتہائی حماقت ہوگی۔

اب اس نوجوانوں کے مجلہ کے منتظمین نے جب مجھ سے فرمائش کی کہ میں امریکہ سے متعلق کوئی مختصر چیز لکھوں تو انہیں احساسات کو قلمبند کر رہا ہوں بلکہ قارئین کے حسن ظن پر اعتماد کرکے یہ خیالات نذ

کر رہا ہوں جن کے بارے میں غلط فہمیاں زیادہ آسانی سے ہوسکتی ہیں۔ بہرحال اتنی ہی تصریح پر اکتفا کرونگا کہ اس عنوان پر فلسفیانہ حیثیت سے بحث اس مضمون کا مقصود نہیں اور نہ ہی مصنف کا یہ منشا ہے کہ انسان ہر مثبت قدر کا انکار کرکے نایقینی و بے عملی کے اندھیروں میں پڑا رہے۔

ایک مدعا جو بڑے اجمال اور بڑی صراحت سے لکھا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ

> "وہ کوئی بھی چیز جو انسان کے معاشرے سے اجنبی ہو شاید ہی پوری صحت کے ساتھ سمجھی جاسکے"

امریکہ و پاکستان کے اتصال سے جو خلفشار پیدا ہوتا ہے اس کی مثالیں متعدد اقسام کی بے شمار ہوسکتی ہیں۔ یہاں صرف چند پیش خدمت ہیں۔

یونیورسٹی کراچی میں میں اپنی کلاس میں خوش قسمتی یا بدقسمتی سے متعدد طالبات میں UNFAIR SEX کا واحد نمائندہ تھا اور ان دنوں ایک امریکن پروفیسر صاحب پڑھا رہے تھے۔

ایک دن ان کے جی میں کیا آئی کہ عین کلاس کے بیچوں بیچ پڑھاتے پڑھاتے انہوں نے ایک طالبہ کی طرف دیکھا اور آنکھ مار دی۔

کلاس کے دوران میں تو اس لڑکی کا شرم غصہ سے عالم دیکھنے والا تھا اور کلاس کے بعد پوری کلاس کو ازسرنو سخت قسم کا غصہ آیا اور مرد ہونے کی حیثیت سے ظاہر ہے ہمیں غیرت و حمیت سب ہی

قسم کا غصہ آیا کہ ایک امریکی، پاکستانی طالبہ کو اس طرح کھلے دڑانے آنکھیں مارے مگر بات یوں ہی آئی گئی ہو گئی۔ بعد میں امریکہ میں پتہ چلا کہ وہاں آنکھ مارنا کوئی جنسی معنی نہیں رکھتا۔ وہاں جس سے بھی کچھ مانوس ہوئے آنکھ مار دی۔

اسی کے مقابلے میں میرے ساتھ بھی کچھ اسی قسم کا واقعہ امریکہ میں پیش آیا۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ لڑکیوں کی ایک HOME MAKERS CLUB نے کچھ بیرونی ممالک کے طلباء کو اپنی بستی میں ہفتہ اتوار گزارنے کے لئے مدعو کیا۔ میرے حصہ میں اتفاق سے دو میزبانیں آئیں۔ ۱۷-۱۸ سال کی عمر کی جو کچھ چنچل قسم کی تھیں۔ انہوں نے اپنے گھر میں ہفتہ کی رات کو ایک پارٹی منانے کا پروگرام بنالیا۔ پارٹی میں مہمان لڑکے لڑکیاں گپ شپ اور ناچنے میں مصروف تھے اور میں اپنی میزبانوں کے ساتھ کھڑا تھا ایک حلقہ میں جس میں ایک لحیم و شحیم قسم کا امریکن لڑکا بھی شامل تھا۔

ان دونوں میزبان لڑکیوں نے آپس میں کچھ پرائیوٹ قسم کی گفتگو انگلیوں کے اشاروں CODS سے شروع کر دی عین محفل میں۔ میں بہت زچ ہوا۔ میں نے ان لڑکیوں کے بیچ میں آ کر انہیں اشارے خلط ملط کرانے کے لئے اپنی انگلی سے اونٹ پٹانگ قسم کے کچھ اشارے کر کے کہا کہ بتاؤ اس کا کیا مطلب ہوا۔

اس میں ایک اشارہ ایسا کوئی تھا کہ اچانک محسوس ہوا کہ ان امریکن صاحب کو بمعہ اپنے لحیم و شحیم کے ایک خاص قسم کا جلال آگیا اور ان کی آنکھوں سے شعلہ و چنگاری پتہ نہیں کیا کیا نکلنے لگا۔

بہر حال انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا اشارے کر رہے تھے۔

میں نے فوراً ہی سر نفی میں ہلا دیا تو وہ بولے کہ تم ایک فحش حرکت کر رہے تھے (جو پاکستان میں آنکھ مارنے کے مترادف ہے)۔

اس پر تو میں ایسا سٹ پٹایا کہ یہ بھی معلوم کرنے کی تکلیف نہیں کی کہ ہم نے انگلیوں سے کیا خاص اشارا کیا تھا۔

وطن چھوڑتے ہی کھانوں کے بارے میں ایک سخت قسم کا مسئلہ دوچار ہوتا ہے۔ ہر دوپہر اور ہر شام کو پاکستان کا کوئی اور یاد آئے یا نہ آئے پاکستان کا دسترخوان ضرور یاد آتا ہے اور اسی کا تصور کرنے کے بعد بھی امریکہ کا SOUP حلق سے اتارے نہیں اترتا۔ بہر حال "بھوکا مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق سب عادت ہو جاتی ہے اور تو اور مغربی موسیقی کی ایک قسم جسے OPERA کہتے ہیں اور جسے یہاں سن کر یہ خیال ہوتا تھا کہ کوئی دردِ شکم کی شدت سے چلا رہا ہو وہاں اس کا عقدہ کھلا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ امریکہ میں (GYMNASIUM OF MEN) گئے تیرنے تو یہ راز بھی کھلا کہ یہ بھی قوانین صحت میں سے ہے کہ آپ مادر زاد ننگے ہو کر جائیے ورنہ POOL میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں کسی کی تنظیم

بلکہ کفر اور گمراہی تک خیال کیا جاتا تھا اور آج وہی چیزیں نہ صرف بلا تامل کی جاتی ہیں بلکہ کچھ تو الٹی فخر کے قابل بھی جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر انگریزی تعلیم اس عنوان پر سرسید کے ساتھ جو کچھ بیتی وہ کچھ اردو ادب میں شامل ہے (خصوصاً اکبر الہ آبادی کے اشعار)

ایک زمانہ تھا کہ شریف بی بیوں کے لئے حویلیوں میں سے باہر نکلنا قطعاً معیوب تھا کہ کجا موجودہ روش کہ عورت ضروریات کا سامان خود خرید کرے یا زندگی کے کاروبار میں آفس میں کام کرے۔ ایک خاص قسم کے بال کٹانے کو شرعی اور انگریزی بال کٹانے کو تقریباً کفر خیال کیا جاتا تھا۔ سوٹ پہننا، سینما جانا۔ سگریٹ پینا (خاص طور پر کسی بزرگ کے سامنے) غیر اسلامی۔ پھر لغو یا پھر کم از کم فضول خرچی سمجھے جانے لگے چاہے مجرا کرنا اور محفل سماع و موسیقی کو خوش مذاقی سمجھا جاتا ہو۔

مراد ان زخموں پر جو کہیں کہیں ابھی مندمل بھی نہیں ہوئے ہیں نمک چھڑکنا نہیں ہے۔ بلکہ مقصود اتنا ہے کہ ہم تغیر پذیری کے قانون قدرت کو پہچانیں بہت سی باتوں میں اختلافات (جو معتد بہ طور پر جزوی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں) کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا سیکھیں۔ ہر وہ بات جو آپ کے ذوق سلیم پر گراں گزرتی ہے اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر نہ پڑ جائیں۔ ہر وہ ادا جو آپ کے مزاج سے میل نہ کھائے اسے سراسر حماقت قرار دینے سے پہلے چند گھڑیاں اس پر غور کرنے پر صرف کریں کہ شاید دوسرا شخص بالکل ہی گاؤدی نہیں۔

"ہر وہ اخلاق جو آپ کی نشو و نما سے میل نہ کھائے جو اس پر کفر اور غیر اسلامی کی بندوق لے کر نہ چڑھ جائیں بلکہ پہلے کچھ وقت اس اخلاق کی روح کو احتیاط سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

چند ہی چیزیں ہیں جو قوانین قدرت میں بنیادی حیثیت کی حامل معلوم ہوتی ہیں اور وہ اٹل ہیں مثلاً علم۔ صداقت، عمل پیہم اور تغیر پذیری وغیرہ۔ جو قومیں قوانین قدرت کی جستجو میں بے قرار رہتی ہیں اور اپنا علم و عمل ان کی طرف مرکوز کرتی ہیں یہی ترقی یافتہ قومیں بنتی ہیں۔ ہزاروں اصول تاریخ ہی کے آئینہ میں تغیر پذیر ثابت ہوتے ہیں اور جب جب بھی انسان اس زمان و مکاں کی دوڑ میں تنگ نظری کا ثبوت دیتا ہے اور ایک اڑیل ٹٹو کی طرح چلنے سے انکار کرتا ہے وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ مگر زندگی جاری رہتی ہے اور اس کا تسلسل کوئی اور فرد کوئی اور قوم سنبھال لیتی ہے۔

"ہر دم رواں ہے زندگی ...."

مقصود ہو تو ٹوپی پہن لی جاتی ہے وہاں کسی کا ادب کرنا ہوتا ہے تو پہنی ہوئی ٹوپی اتار لینا ضروری ہے۔

یہ الٹ پلٹ محض کھانے پہننے اور چند رسوماتی اشاروں تک ہی محدود نہیں بلکہ معاشرتی قدروں تک پر محیط ہے۔

جب میں نیا نیا پاکستان واپس آیا تو ایک سڑک کے بیچ میں تین چار سال کا بچہ کہیں سے آنکلا تھا اور گاڑیاں دونوں طرف سے ایسے ہی جا رہی تھیں جیسے وہاں بچہ موجود ہی نہ ہو۔ بڑا ہی بے حس سماج لگا۔ امریکہ میں اول تو ایسا کبھی ہوتا ہی نہیں۔ بڑے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کو اپنی نگرانی میں ہمہ وقت رکھیں اور بالفرض اگر ایسا ہو بھی جائے تو چاروں طرف کی گاڑیاں یکلخت رک جائیں اور ایسا ٹریفک جام ہو جائے جیسا کہ پاکستان میں اس وقت ہو جائے گا جب کہ ایک حسینہ تیراکی کے لباس میں سڑک سے گزرنا چاہ رہی ہو جبکہ اس وقت امریکہ میں ٹریفک اتنی ہی بے اعتنائی کے ساتھ چلتا رہے گا۔ جیسے کہ پاکستان میں بچہ کے سڑک پر ہونے سے۔

ان دونوں مواقع پر دو معاشروں میں مختلف رد عمل ہونے کے متعدد معاشی اور معاشرتی وجوہات ہیں۔ جن کی بحث اور برتری و کمتری ثابت کرنا میرا منشاء نہیں۔

میرا اصل مدعا دونوں معاشرے کے اختلافات کو اجاگر کرنا ہے۔

وہاں کی سوسائٹی جمہوری ہے اور باپ کی حیثیت گھر میں محض ایک اس شخص کی ہے جو محض صدارت کی کرسی پر اس لئے بٹھا دیا جاتا ہے کہ ممبران کے بحث و مباحثہ کرنے اور فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکے۔ اس کے برخلاف ہمارے معاشرے کے گھر میں باپ کی حیثیت ایک حاکم مطلق کی ہے۔ معاملات میں باپ کا ارشاد حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور حکم کی خلاف ورزی ایک معاشرتی انحراف اور ایک مذہبی گناہ ہے۔ وہاں باپ کا ارشاد ایک مشورہ کی حیثیت رکھتا ہے جو اگر دلنشین ہونے والے وجوہات کے ساتھ دیا گیا ہو تو اولاد کے لئے قابل قبول ہوگا ورنہ نہیں۔

محض عمر میں بڑا ہونا اس کی ضمانت نہیں کہ ایک شخص صائب الرائے ہوگا بلکہ عمر کی ایک کے بعد (مثلاً ۶۰ سال) تو حساب عموماً الٹا ہو جاتا ہے کہ نہ صرف انسان کے قوٰے اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں بلکہ اس کے خیالات بھی پرانے ہو جاتے ہیں جو پندرہ بیس سال پہلے تک کی صورت حال کے مطابق صحیح ہو سکتے ہوں مگر موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ آلات، تراکیب اور فیشن کے لحاظ سے بھی موزوں نہیں سمجھے جاتے۔

بہرحال وہاں کے بڑے بوڑھوں کو بھی اس بات کا احساس ہے اور وہ بھی اس قانون قدرت کو اٹل سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔

(THE OLD ORDER YIELDETH TO THE NEW - SHELLEY) ہو جاتا
اور اس طرح ایک ترقی یافتہ معاشرہ اور مزید ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جاتا ہے۔

امریکہ میں بچوں کو بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی تربیت بھی شروع سے ہی مگر احتیاط سے دی جاتی ہے۔

عمر کے ابتدائی چند (۷-۶) سال ان کو کبھی گھر میں بلا کسی بڑے کی نگرانی کے چھوڑ کے جانا ایک گناہ عظیم تصور کیا جاتا ہے مگر اس کے بعد رفتہ رفتہ انہیں ذمہ داری سے روشناس کرایا جاتا ہے حتیٰ کہ چودہ پندرہ سال کی عمر سے ایک فرد تعلیم کے علاوہ عموماً ایک دو گھنٹہ کوئی چھوٹا موٹا کام کر کے کم از کم جیب خرچ نکالنے کے قابل ہو جاتا ہے اور اٹھارہ سال کی عمر میں کالج کے اخراجات کی خود ہی کام کر کے کفالت کرتا ہے۔ احساس خود اعتمادی اور آزادیٔ فرد ابتدائی عمر سے شروع ہوتی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ امریکہ کے ایک چھوٹے سے دیہات کی بستی میں ہفتہ اتوار کے لئے ایک کسان خاندان کے گھر ٹھہرا ہوا تھا۔ ان کے چار پانچ بچے اپنے ماں باپ ان سب بچوں نے مجھے یادگار کے طور پر اپنے نوٹوں کی ایک ایک کاپی دی۔ ایسے کہ یہ دنیا کے اہم فرد ہوں۔) کے ساتھ میرے گرد جمع تھے اور میں پاکستان کے بارے میں کچھ اطلاعات اور جوابات دے رہا تھا۔ گفتگو جب شادی اور پاکستان پر مرتکز ہوئی تو میں نے بتایا کہ لڑکا لڑکی پسند کرنے میں والدین ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بڑے بچے تو دل نہ دکھانے کے ادب پر عمل کرتے ہوئے دلچسپی سے محض سنتے رہے مگر چھوٹا چار سال کا لڑکا بے ساختہ اچھل کر بولا۔

"میں تو ہرگز ہرگز اس لڑکی سے شادی نہیں کروں گا جسے والدین چاہیں"

والدین اور سبھی لوگوں نے اس کو خوش مذاقی سے مسکراتے ہوئے چپ کر دیا۔

اس چھوٹے بچے کو ڈانٹنے کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں آیا بلکہ الٹا والدین کے چہرے پر اپنے بچے کی خود اعتمادی پر اظہار مسرت تھا۔

خوف طوالت سے ان ہی مثالوں پر اکتفا کروں گا اور صرف اس مشاہدے پر امریکہ کا بیان ختم کروں گا کہ امریکی معاشرہ صرف جنسی بے راہ روی کا نام نہیں بلکہ اس کے متعدد پہلو ہیں۔

حیاتِ انسانی کے تغیر پذیر ہونے کے مشاہدات کچھ حد تک یہیں پاکستان میں بیٹھ کر اختلافات مکان و زماں سے کئے جا سکتے ہیں۔ اگر مشرقی پاکستان میں بیٹھ کر کا کسی قبائلی علاقہ کی زندگی سے مقابلہ کیا جائے تو یہی احساسات اجاگر ہوتے ہیں یا پھر ہم اپنی اس زندگی کو لے لیں جو دہلی میں پچاس ساٹھ برس پہلے تھی اور وہ زندگی جو کراچی میں آج ہے تو تغیرات کا اندازہ کچھ حد تک تاریخ سے چھن کر ہو سکے گا۔

ان ممنوعات کی اگر ایک فہرست بنائی جائے تو کافی طویل ہوگی کہ جن کو نا صرف ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا

درخشاں ستارے منزل کی شاہراہ پر !!

جواد حسین اعجازی
(اسٹوڈنٹس سیکریٹری فرینڈز سرکل)

(یہ تقریر فرینڈز سرکل (رجسٹرڈ) کراچی کی طلباء پارٹی منعقدہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۶ء بوقت ۴½ بجے شام کی گئی۔)

بصدر، معزز بزرگو !! اور میرے عزیز ساتھیو!!!

یہ امر میرے لئے بڑا باعثِ فخر ہے کہ زندگی میں پہلی بار مجھے برادری کے درخشاں ستاروں سے مخاطب ہونے اور اپنے خیالات کے اظہار کا موقعہ مل رہا ہے۔

آج کا دن فرینڈز سرکل کی تاریخ میں یقیناً ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے جب کہ قوم کے اکابرین تعلیم یافتہ حضرات اور ہونہار طالب علم جن کو کہ کہنا چاہیئے (The Cream of our Community) سب اس طرح ایک جگہ موجود ہیں۔ زندگی میں ایسے سنہری لمحات کم ہی ملتے ہیں۔

سب سے پہلے میں خلوص میں ڈوبے ہوئے جذبات کے ساتھ آپ لوگوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اور فرینڈز سرکل کی جانب سے آپ سب لوگوں کا بے حد مشکور ہوں کہ آپ لوگوں نے اس تقریب میں شرکت فرما کر رونق بخشی اور ہمارے خلوص کو قبول فرمایا۔

کسی دانشور نے خوب کہا ہے (THE MAN IS A SOCIAL ANIMAL) اور وہ سوسائٹی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور نہ ہی وہ تمام چیزیں حاصل کرسکتا ہے۔ کوئی کسی میدان میں مہارت رکھتا ہے تو کوئی کسی میں تو اس طرح پوری زندگی گزارنے میں ایک دوسرے کا ساتھ لازمی ہے۔

یوں تو زندگی ہر رنگ میں گذر جاتی ہے اور اس کا کارواں رواں دواں رہتا ہے۔ مگر ایک کامیاب ترقی پذیر اور خوشگوار زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مقصد کو سمجھا جائے۔

تمام دینوی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی۔
حقوق انسانی کا تحفظ۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ خلوص ولگن کے ساتھ وقت گذارنا ہے۔
زندگی کا اصل مقصد عزت و آبرو کے ساتھ ذریعہ معاش۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے صحیح تعلیم و تربیت لازمی ہے۔ علم کی نعمت سے کون واقف نہیں؟ علم ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ بڑی محنت اور جستجو کے بعد بہت سے لوگ اس کے دروازے تک پہنچتے ہیں۔ مگر اسے بند پاکر اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ داخل وہی ہو سکتے ہیں جن کے پاس اس کے قفل کی کنجی ہو۔ اور وہ کنجی ہے "عمل"

تعلیم سے انسان کا سویا ہوا شعور بیدار، تمام صلاحیتیں اجاگر اور زندگی کے خفیہ راز بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اس کا کردار بلند اور پختہ ہو جاتا ہے اور عملی زندگی سنور جاتی ہے اور اس کا ہر قول و فعل انسانیت کی معراج کا ضامن ہوتا ہے۔

ایک نظر اگر ہم اپنی برادری کی ترقی پر ڈالیں تو محسوس ہوگا کہ ابھی تک ہم دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں۔ سب سے پہلے پروفیشنل فیلڈ میں لیجئے۔ تو چند لوگ ہی ایف۔ آر۔ سی۔ ایس اور ایم۔ ایس انجینرنگ تک پہنچ پائے ہیں۔ سروسز میں لیجئے تو فرسٹ کلاس آفیسر اور کنٹرولر تک ہی محدود ہیں۔ کاروبار میں لیجئے تو ابھی تک پوری برادری میں کوئی لیمیٹڈ فرم ہی نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہم نے پچھلے ۹ اسال میں کافی ترقی کی ہے۔ مگر اس سپرسونک رفتار کے دور میں یہ ترقی بہت کم ہے۔

اس وقت طلباء برادری کے تقریباً ہر فیلڈ کے ساتھ موجود ہیں۔ یقیناً آپ لوگ زندگی کے بہترین اور ولولہ انگیز دور سے گذر رہے ہیں۔ اس دور میں انسان میں سب سے زیادہ احساسات، جذبات، ہمت، قوت اور جوش و خروش ہوتا ہے اور تمام کام کرگذرنے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ ایسے قیمتی اور بیش بہا وقت کا آپ کو صحیح مصرف کرنا ہے اُسے یونہی رائیگاں نہ جانے دیجئے۔

زندگی میں اضطراب بڑا ضروری ہے ورنہ وہ ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح گندی اور غلیظ ہو جائے گی ابھی تو ہمیں ہر میدان میں بڑی ترقی کرنی ہے۔ اعلیٰ تعلیم سے اپنی کاروباری حالت کو بلند معیار پر پہنچانا ہے۔ صنعتی میدان میں مہارت حاصل کرنی ہے۔ میڈیکل میں تو "ہمارے یہاں اسکوپ ہی اسکوپ ہے" ان تمام مقاصد کیلئے بڑے جوش و خروش کی ضرورت ہے اور ایک نئے عزم سے آگے بڑھنا ہے۔

یاد رکھئے ترقی کے سمندر کا تو کوئی کنارہ ہی نہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

CamScanner

تو ہماری منزل تو پہاڑوں کی چٹانوں میں ہے ۔ کئی آسمانوں سے دور ہے ۔ ١٦ سال کے محمد بن قاسم کی شہادت میں ہے ۔

"ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لینے آتی ہے"

ہمیں بڑی سے بڑی مشکل سے ٹکرا جاتا ہے ۔ اور ایک دن انشاء اللہ مثال قائم کرنی ہے ۔

مگر صاحب ان لوگوں کو کون سمجھائے جو کہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم پہاڑوں کی چٹانوں میں چلے گئے تو وہاں لتا منگیشکر کی آواز کہاں سے آئیگی ....

برادری کو قائم رکھنے کے لئے بہترین نظم و نسق اور اعلیٰ تنظیم بنیادی حیثیت رکھتیں ہیں ۔ اگر ہمیں اجتماعی طور پر رہنا ہے تو اس کو ہر حالت میں پیدا کرنا ہوگا ۔ ورنہ بہتر ہے کہ اس بندھن کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیں ۔ تاکہ دوسری قوموں کے سامنے بے عزت اور رسوا نہ ہوسکیں ۔

تھوڑی دیر اگر ہم غور سے سوچیں تو ہمیں اپنی ترقی کی رکاوٹوں کا بڑی آسانی سے احساس ہوسکتا ہے ہمارا مطلب کانٹوں سے الجھنا نہیں ہے بلکہ کانٹوں کو دیکھنا ہے تاکہ ترقی کی شاہراہ پر چلتے ہوئے ۔ ان سے دامن کو بچا سکیں :۔

پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بہترین طریقے پر منظم ہو جائیں ۔ اس کے لئے اتحاد ، یک جہتی ، بلند اخلاق ہم خیال اور اعلیٰ کردار کی ضرورت ہے ۔ دیکھا گیا ہے کہ ہماری برادری کے لوگ کے خیالات میں کچھ زیادہ ہی فرق ہے ۔ اس کی اصل وجہ "گہرا تعلیمی فرق" ہے ۔ کچھ لوگ اگر پی ۔ ایچ ۔ ڈی ہیں تو کچھ میٹرک بھی پاس نہیں ۔ قدرتاً خیالات میں زیادہ تضاد پیدا ہو جاتا ہے ۔ مگر اس فرق کو باہمی تعاون ، پر خلوص دلچسپ اور شائستہ ماحول سے کافی حد تک ختم کیا جا سکتا ہے ۔ جو کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات اپنے بلند اور محبانہ کردار سے ہی پیدا کر سکتے ہیں ۔ ہمیں اپنے معاشی ، ذہنی ، اور معاشرتی اور اجتماعی تعلیمی حالات کو سنوارنا ہے ۔

ترقی کی راہوں میں کچھ بھائی ایسے بھی ہیں جو تھوڑے ہی فاصلہ پر جا کر تمکنت کا شکار ہو گئے ہیں ۔ ایم ۔ اے کرتے ہی محسوس کرنے لگے کہ دنیا کی قابلیت سمٹ کر ان کے دامن میں چلی آئی ۔

احساس برتری اور بناوٹ میں سمائے ہوئے یہ لوگ پوری برادری کے اتحاد اور یک جہتی کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں ۔ ایسے شخص سے جب دوسرے لوگ ملتے ہیں تو وہ ماحول پیدا نہیں ہوتا جس میں خلوص اور اپنائیت ہو ۔ نتیجتہً ایک مرتبہ ملنے کے بعد دوسرا شخص مانوس ہونے کی بجائے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے ۔ اس طرح ہمارا مجموعی طور پر رہنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے ۔ ہمیں ایسے ماحول کو ختم کرنا ہوگا ۔

ہم میں سے کچھ بھائی ایسے بھی ہیں جو کہ اس سال فیل ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے ہیں کہ وہ کسی کام کے لائق نہیں ۔

اس شکل میں وہ اپنی نگاہوں میں خود گر جاتے ہیں۔ یہ بڑی غلط چیز ہے۔ کیوں کہ دنیا میں ہر شخص کو خداوند تعالےٰ نے بڑی صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔" ماں کی گود سے لگا کر قبر تک زندگی میں ہزاروں امتحانات دینے ہوتے ہیں اور کوئی شخص بھی تمام امتحانوں میں کامیاب نہیں ہوسکتا" ایسے لوگوں کے لئے دوسروں کا خلوص بڑی تقویت پہنچاتا ہے۔ قوم کو ایک جگہ رہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے نوعمر اعلیٰ دماغوں کی حفاظت کریں۔

"گرا تو سب ہی دیتے ہیں۔ اصل کام تو گرتے ہوؤں کو سنبھالنا ہے"

ایسے لوگوں کو پہلے اسٹیج میں اپنے اندر اعتماد پیدا کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد دوسرے اسٹیج میں ان کو دوسروں کے مقابلے میں اپنے اندر اعتماد پیدا کرنا ہے۔ تیسرا اسٹیج سوسائٹی میں ایک کا آتا ہے۔ اصل میں ترقی لانے کے لئے لازمی ہے کہ مقابلہ کیا جائے۔ مگر اس میں حسد اور جلن کا کوئی دخل نہ ہو تو یقیناً اس طرح ہم سب جلد آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔

اعلیٰ تعلیم

اس دور میں جب کہ ہر فیلڈ میں نئی نئی ترقی یافتہ راہیں کھل رہی ہیں اعلیٰ تعلیم کی اہمیت اور زیادہ ہوگئی ہے، اس کی وجہ سے ہر شخص کو ترقی کرنے کے لئے کسی نہ کسی فیلڈ میں ماہر ہونا ضروری ہوگیا ہے۔

اس کے لئے ہم کو مغربی ممالک جانا ہے اور وہاں سے ترقی یافتہ دور کے تمام کمالات حاصل کرنے ہیں۔

"مگر ساتھ ہی ساتھ ایک بات ہے!! اکیلے بھی واپس آنا ہے"......

اعلیٰ تعلیم کا مقصد تو ترقی کی راہوں سے آشنائی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ ساری باتیں بھی اپنالیں جنہیں بعض لوگ تعلیم یافتہ ہونے کا لازمی جز سمجھنے لگے ہیں۔ میری مراد اس نام نہاد مغربی کلچر سے ہے جو ہماری برادری کے ایک حصے نے اپنانا شروع کر دیا ہے اور مغربی تہذیب کے شعلوں سے اپنے دامن کو جلا لیا ہے۔ وہ شاید بھول گئے کہ ہمارا مذہب اسلام ہی درحقیقت دنیا کا سب سے اچھا مذہب ہے جس کے غیر مسلم تک قائل ہیں، اس کا احساس انشاءاللہ انہیں جلد ہی ہوجائے گا۔

ہماری برادری میں کچھ خاندان ایسے بھی باقی ہیں جو کہ نئی نسل کو سختی اور پابندی سے ہر وقت اپنی تاکید میں رکھے ہوئے ہے۔ اس سے بچوں میں فیصلہ کرنے کی طاقت اعتماد۔ ان کے احساسات، جذبہ ترقی اور صلاحیتیں کافی حد تک ختم ہوجاتی ہیں۔ اس سلسلے میں یقیناً اعتدال بڑا ضروری ہے۔

کیوں کہ آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ مگر اس حد تک ہونی چاہیئے جس سے اُن کی شخصیت پُر وقار ہو اور خاندان کی عظمت برقرار رہ سکے۔ اس کے لئے بزرگوں کی ہر دور میں ضرورت رہی ہے۔ اس سلسلے میں ایک

صاحب نے خوب کہا ہے۔

(YOUNG FOLLOW THE YOUNG IS LIKE A BLIND FOLLOW THE BLIND)

اس وقت ہمیں زمانے کے ساتھ بھی چلنا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اپنے بزرگوں سے بھی مشورہ لینا ہے۔ تاکہ ہر چیز میں باہمی فیصلہ سب کے لئے خوشگوار ثابت ہو سکے۔ اس کے برخلاف جو لوگ دوستوں اور ہم عمر ساتھیوں کے کہنے پر کوئی قدم اٹھاتے ہیں وہ زندگی بھر پریشان ہوتے ہیں۔ کسی بھی سوسائٹی میں اتفاق برقرار رکھنے کے لئے چھوٹوں کے لئے شفقت اور بڑوں کے لئے عزت لازمی ہے۔ اس کے بغیر زندگی پُرسکون ہو ہی نہیں سکتی۔

فرینڈز سرکل اصل میں ہمیں مواقع فراہم کرتا ہے کہ ہم اپنے اندر یہ تمام چیزیں پیدا کر سکیں۔ برادری کی ترقی میں ہر شخص کو انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ اور ہم سب کو مل کر اس میں حصہ لینا ہے۔ کسی بھی سوسائٹی میں ماحول پیدا کرنے کا دارومدار اس کے ممبر کے خیالات اور خلوص پر ہوتا ہے۔ ہمیں ایک پاکیزہ اور پُرخلوص ماحول پیدا کرنا ہے۔ تاکہ زندگی کی حقیقتوں سے فیض یاب ہو سکیں۔

یوں تو ہر سوسائٹی میں، بزرگ، چھوٹے، امیر، غریب، تیز و سست بھی ہوتے ہیں۔ "مگر انسان میں چھپے ہوئے انسان کو کھوجنا ہی اصل کام ہے۔ آپ ایک دوسرے میں گہری دلچسپی لیجئے۔ آپس کی مشکلات حاصل کیجئے۔ وہ خلوص پیدا کیجئے جس کا ہر انسان فطرتاً طور پر بھوکا ہوتا ہے۔ اس ماحول میں تو یقیناً زندگی بڑی خوشگوار اور پُرکیف ہو جائے گی۔" وہ شخص کتنا خوش قسمت ہے جس سے دوسرا شخص بالکل محفوظ ہو:

"یہی انسانیت کی اصل معراج ہے"

بقیہ صفحہ ۱۳ کا

جوائنٹ سیکرٹری : شکیل احمد ارتقائی

پروگرام سیکرٹری : محمد نبیراثیل ذکائی

خازن : محمد زبیر

انتخاب کے بعد سابق صدر بزم ادب جناب صبیح الدین بقائی صاحب کی جانب سے تواضع کی گئی۔

انتخاب کے بعد صدر بزم ادب صبیح الدین بقائی صاحب کی جانب سے حاضرین کی تواضع کی گئی اور اس کے بعد نئی کابینہ نے اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

بغیر عنوان کے

ڈاکٹر معین الدین بقائی

جواد صاحب کا اصرار ہے کہ اس شمارے کے لیے (جو سال بھر کے بعد شائع ہو رہا ہے) ایک مضمون تحریر کروں۔ ان کی توقعات یہ ہیں کہ ایک ٹھوس مدلل اور اصلاحی یا معلوماتی مضمون لکھا جائے۔ لیکن میرا دل یہ چاہتا ہے کہ کچھ یادیں اور تاثرات قلمبند کر دوں۔ شاید یہ عمر کی ایک نئی منزل میں داخل ہونے کا ثبوت ہے کہ مستقبل سے ہٹ کر نظر ماضی کی طرف جانے لگی ہے۔ ہمارے بزرگوں کی رائے میں سرکل کا کوئی رکن کبھی نوجوانی کی ابتدائی منزل سے آگے قدم نہیں رکھ سکتا۔

فوری محرک اس جذبہ کا یہ ہے کہ آئندہ چند ماہ میں تبدیلی سکونت کا جو امکان نظر آتا ہے اس کا ایک اثر یہ ہوگا کہ جغرافیائی دوری کے سبب دوستوں سے ملاقات اور مختلف قومی امور میں عملی شرکت کے مواقع میں کمی ہو جائے گی۔ ابھی کل کی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ میں تعلیم ختم کر کے لاہور سے واپس آیا تھا۔ بزم ادب کی ایک محفل میں شریک ہوا جو تقسیم کے بعد کی شاید پہلی محفل تھی۔ جناب شیخ محمد منصور صاحب سکریٹری تھے۔ ان کے اصرار پر آئندہ سال کے لیے قرعہ اس دیوانے کے نام نکلا۔ یہ میرا پہلا تجربہ تھا قومی تنظیم کے عملی پہلو میں حصہ لینے کا۔ ضمنی طور پر روایات کا تسلسل ایک نسل سے جس نے اپنا کردار بخیر و خوبی ادا کیا تھا ایک نئی نسل کی طرف منتقل کرنے کی جو ایک نئے اور اجنبی ماحول میں پرورش پا کر مختلف النوع خیالات کے ساتھ عملی زندگی میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے بعد بزم ادب کی یہ ذمہ داری مختلف حضرات کے سپرد ہوتی رہی اور اس کی تنظیم اور اس کے پروگراموں میں تبدیلیاں آتی رہیں۔

یہ ایک سبق ہے ہم سب کے لیے جو ترقی کے اس دور میں ایک دوراہے پر ٹھہر کر سوچنے لگتے ہیں کہ یہی منزل ہے۔ ہم پر بھی لازم ہے کہ جس طرح ہمارے بزرگوں نے ذمہ داری ہمارے سپرد کی تھی اسی طرح ہم آگے آنے والوں کو یہ کام تفویض کر دیں اور دیکھیں کہ یہ ادارے اس نئی نسل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ روایات میں تسلسل کے لیے اور تبدیلیوں کی آمد میں ہم آہنگی اور سکون کے لیے یہ ضروری ہے کہ مختلف ادوار میں تعاون قائم رہے۔

کچھ حضرات کے لیے یہ امر باعث تعجب ہوگا کہ اب سے چند سال قبل اس بات پر کافی بحث ہوئی کہ بزم ادب کے اجتماع میں فرش کے بجائے کرسیوں پر نشست کا انتظام کیا جائے۔ جب پہلی مرتبہ یہ انتظام کیا گیا تو یہ انقلابی تبدیلی تھی۔ اس سے اخراجات میں بھی اضافہ ہوا اور خزانچی صاحب کی ذمہ داریاں بھی بڑھیں۔ لیکن انتظام عام طور پر پسند کیا گیا اور چندہ میں بھی اضافہ ہو گیا۔

CamScanner

اسی طرح جب چند سالوں کے بعد باقاعدہ ڈراموں اور تمثیلیوں کا پروگرام شروع کیا گیا۔ تو دو پریشانیاں درپیش تھیں۔ اولاً وہی اخراجات کا معاملہ۔ دوئم بزرگوں کے ردِ عمل کا معاملہ۔ اسٹیج اور میک اپ وغیرہ کا خرچہ اس دور کے لحاظ سے کثیر تھا۔ اس مسئلہ کو ظفر احمد بقائی مرحوم نے حل کیا۔ اور وعدہ کیا کہ اس کا ایک حصہ وہ خود برداشت کریں گے۔ دوسرے معاملہ پر آپس میں مشورہ کے بعد فیصلہ کیا گیا۔ کہ اگر پروگرام کا انتخاب صحیح ہو تو ردِ عمل ناخوشگوار نہیں ہوگا۔ بہر حال پروگرام کامیاب رہا اور بے حد مقبول ہوا۔

اب صرف دقت یہ ہے کہ پروگرام کا یہ حصہ اس قدر مقبول ہوگیا ہے۔ کہ باقی پروگرام پر پوری توجہ نہیں ہوتی۔ نہ منتظمین کی اور نہ سامعین کی۔ سب کی دلچسپی کا خیال درست ہے۔ لیکن کچھ کام کی باتیں بھی ہوں تو بزمِ ادب کی دیرینہ روایات قائم رہ سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ میرے یہ خیالات پرانے زمانے کے ہوں اور لوگ اس بات کو پسند نہ کریں کہ عید کی تفریح میں کوئی وزنی پروگرام مخل ہو۔

تقسیم کے بعد خیالات اور نظریات کی تبدیلی کا ایک اور مظہر فرینڈز سرکل کا قیام ہے۔ اس سے قبل بھی قوم میں نوجوانوں کی تنظیم کے مختلف ادارے قائم ہوتے تھے اور اپنے دور کے ساتھ ختم ہو گئے تھے۔ لیکن اس نئے ادارے کے تیور الگ تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے سرکل کے قیام کی خبر نیویارک میں اقوامِ متحدہ کے دفتر میں اخبار ڈان کے ذریعے پائی۔ ان دنوں کرمس کی تعطیلات میں یونیورسٹی سے اپنے ماموں ارشاد حسین بقائی صاحب کے یہاں آیا ہوا تھا۔ عرصہ دراز کے بعد "ڈان" نظر آیا۔ اگرچہ پاکستان میں اخبار کا مطالعہ سرسری ہوتا ہے۔ لیکن پردیس میں ہر لفظ کو آنکھیں سے بوسے در رست والا مضمون ہوتا ہے۔ ایک کونے میں چھوٹی سی خبر تھی کہ فرینڈز سرکل کے فلاں فلاں عہدیدار منتخب ہوئے۔ سب نام جانے پہچانے۔ مزید معلومات کی دلچسپی ہوئی۔

امریکہ سے واپسی پر تعلق بڑھا۔ اوّل تو قدم دوستوں نے بڑھایا۔ مبارکباد کی دعوت کی۔ لیکن جواباً ہم کو یکے از احباب پایا۔ اجتماعی اور انفرادی ورزش مختلف اصحاب سے اسی ادارے کے ذریعے رہی۔ دو سال صدارت کی ذمہ داری بھی سپرد رہی جو کہ بھی رہے۔ کام بھی ہوتے۔

ناظر صاحب کی جگہ سے ہٹ کر جو کسی فقیر کی دعا کی طرح سرکل کو لگ گئی تھی۔ سرکل پر ایک دور جلاوطنی کا گزرا۔ لیکن یہ شاید ایسا ہی آزمائش کا دور تھا جو بنی اسرائیل پر مصر سے نکلنے کے بعد آیا تھا۔ کیوں کہ اس کے بعد ایک خوش آیند زمانے کی ابتدا معلوم ہوتی ہے۔ کچھ باہمت اصحاب نے سرکل کے احیاء کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا اور وہ بالآخر اس میں کامیاب معلوم ہوتے ہیں۔ مبارکباد کے قابل ہیں وہ لوگ جنھوں نے مشکل دور میں اس ادارے کی خدمت کی اور وہ جن کی کوششوں سے اب اس کی رکنیت ۵۰ تک پہنچ گئی ہے۔

سرکل نے اس زمانے میں جب قوم کی شیرازہ بندی کسی حد تک کمزور ہوتی جارہی تھی ایک اہم خدمت انجام دی ہے کہ نوجوانوں کو قومی یکجہتی کا پیغام دیا اور ان میں مشترکہ اقدار کو جنم دیا۔ سب سے خوش آئند بات یہ ہے کہ فرینڈز سرکل کے بنیادی ممبران نے آہستہ آہستہ اس کی باگ ڈور ابھرتی ہوئی نئی نسل کے ہاتھ میں دے کر ایک نیا تسلسل پیدا کر دیا ہے جو اس کی روزافزوں ترقی پر واضح دلالت کرتا ہے اور مختلف نسلوں کے درمیان بہتر روابط پیدا کرنے کی ضمانت ہے۔

قومی تنظیم کا نیا دور دستور کے نفاذ سے شروع ہوا۔ اوّل انتخابات میں قوم کی ایک نمائندہ کابینہ شیخ محمد منصور صاحب کی زیرِ صدارت منتخب ہوئی اور بڑے جوش و خروش سے کام شروع ہوا۔ لیکن جلد ہی پرانے جھگڑے شروع ہو گئے۔ انتخاب اور طریقۂ انتخاب پر اعتراضات ہوئے جس کی بنا پر کچھ کھنچاؤ پیدا ہوا اور بہت سا وقت غیر ضروری مسائل حل کرنے پر صرف ہو گیا۔ اس کابینہ میں سکریٹری کی حیثیت سے میرا تعارف پہلی دفعہ اس سیاست سے ہوا۔ تجربہ بہت خوش گوار نہیں تھا۔ سال گزر گیا۔ دوبارہ انتخابات ہوئے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد تعطل کا دور شروع ہو گیا جو مشکل تمام تین سال قبل منصور حسین صاحب کے صدر منتخب ہونے کے بعد ٹوٹا۔ خدا خدا کر کے تنظیم دوبارہ شروع ہوئی اور جو کام رک گئے تھے وہ پھر جاری ہو گئے۔

یہ احساس کسی طرح نہیں مٹتا کہ ہر جگہ ترقی کی رفتار سست ہے۔ قومی تعمیری کام ایک پیچ پر پہنچ کر ختم گئے تھا۔ موجودہ حالات میں جن خطوط پر تعمیری کام کرنے کی ضرورت ہے وہ ابھی تک استوار نہیں ہوئے۔ ایک مرکزی جگہ کی تنی برابر محسوس کی جا رہی ہے۔ قومی بہبود کی منظم کوششیں ابھی تک بہت محدود پیمانے پر ہیں۔ قربانی کی کھالوں کو جمع کر کے اور کچھ حضرات سے چندہ جمع کر کے مستحق طلبہ کو وظیفہ دینے کا کام جاری ہے۔ اور زکوٰۃ کا کچھ حصہ قومی زکوٰۃ فنڈ میں جمع ہوتا ہے غریبوں اور بیوگان میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اس فنڈ کو ابھی تک اس طرز پر استعمال نہیں کیا جاتا جس سے افلاس کو دور کرنے میں مدد ملے۔ شہری زندگی میں برادری کی شرکت نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ کسی کی تنقید نہیں ہے بلکہ ایک عام جائزہ ہے ان خطوط کا جن پر تعمیر کا کام شروع ہو سکتا ہے۔ اور ہونا چاہئے۔ بہت سے ضروری مسائل حل ہو چکے ہیں۔ پہلا مسئلہ تنظیم کا تھا۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ جماعتی نظام کے بارے میں باوجود دستور بن جانے کے مختلف النوع نظریات تھے۔ جو دھرا ہٹ صدارت اور مجلس انتظامی کے عملی اختیارات پر صورتِ حال مکمل طور پر واضح نہیں تھی۔ گذشتہ چند سالوں میں مجلس انتظامی نے عملی طور پر یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ اختلافات ناقابلِ حل نہیں۔ اور سب لوگ مل جل کر کام کرتے رہیں۔ یہ معمولی کارنامہ نہیں اس نے ترقی کے کاموں کے لئے نئے راستے کھول دیئے ہیں۔ اس سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ کام کرنے کے نئے طریقے یکسر ناقابلِ قبول نہیں اور اگر کسی حد تک تبدیلی کی رفتار کو مدھم رکھا جائے تو سب کی رضامندی شامل ہو سکتی ہے۔

قومی ہال کے لئے بالآخر زمین کا انتظام ہو گیا ہے اور یہ بھی اتفاق ہو گیا ہے کہ اس زمین پر کچھ نہ کچھ عملہ فوری طور پر بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں شاید انتخابات کے بعد کام میں تیزی آئے۔

ممکن ہے میرے بعض ناامید دوست اس بات سے متفق نہ ہوں۔ لیکن میں موجودہ صورتِ حال کو مکمل طور پر غیر تسلی بخش سمجھتے ہوئے بھی آئندہ کے بارے میں بہت پُرامید ہوں۔ بقول اقبال

" وابستہ رہ شجر سے اور امیدِ بہار رکھ "

میں نے سیاست میں حصّہ لیا

شاہد حسین اعجازی

میرے استاد نے کہا "سیاست کا قافیہ حماقت ہے" اس لئے سیاست میں حصہ نہ لیا کرو۔

میں نے جواب دیا "سیاست کا قافیہ لیاقت بھی تو ہے" لیکن میرے استاد نے انکشاف کیا کہ لیاقت کوکب کے مرحوم ہو گئے، اور جہاں تک مؤنث لیاقت کا تعلق ہے اس نے "شٹل کوک" برقعہ اوڑھنا شروع کر دیا ہے، اور پردہ تو اکبر الہ آبادی ہی کے زمانے میں مردوں کی عقل پہ پڑ گیا تھا اب وہ عقل، عاقلہ بن کر ٹیڈی گرل کا روپ دھار چکی ہے۔

ہاں۔ تو بات ہو رہی تھی سیاست کی۔ میں نے بھی سیاست چلانے کی حماقت کی، نہ گھریلو ایڈوائزر کی پرواہ کی اور نہ کالج کے سیکیورٹی ایکٹ کو قابلِ اعتنا سمجھا۔ جہاں تک ہمارے کالج کا تعلق ہے تو اتنا تعارف کافی ہے کہ آپ نے کہیں چوہوں کے پیچھے بلّی کو بھاگتے دیکھا ہے۔ بس وہ میرا کالج ہوگا۔ الیکشن کے زمانے میں ایسے ہی ووٹروں کے پیچھے امیدوار بھاگتے نظر آئیں گے

ہوا یوں کہ ہمارے کالج میں الیکشن ہو رہا تھا میں ایک طالب علم کو اعلیٰ قابلیت رکھنے والا سمجھتا تھا، کیونکہ اندھوں میں کانا راجہ۔ میں نے اس کی کنویسنگ شروع کر دی مجھے کیا پتہ تھا کہ اس کے عوض کینوس کے جوتے ملیں گے جیسے جیسے الیکشن کے دن قریب آتے گئے۔ پوسٹر چھپے، پمفلٹ تقسیم کئے گئے۔ پورے شد و مد کے ساتھ ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ صادر کیا جانے لگا۔ پھر ووٹوں کی خرید و فروخت شروع ہوئی مجھے استاد کی بات یاد آئی کہ سیاست حماقت ہے۔ لیکن میں نے اصلاح کی نیت سے ایک امیدوار سے کہا کہ "یہ طریقۂ کار تو اچھا نہیں"!

انہوں نے منہ توڑ ہی نہیں بلکہ جبڑا توڑ جواب دیا کہ "ہمارے بڑے بھی تو یہی کرتے ہیں"

پھر کیا تھا تصور کی نگاہوں کے سامنے وہ دور رقص کرنے لگا۔ جبکہ ہر ناجائز کام جائز ہو گیا تھا! اور ہر جائز کام کفر۔ ڈنڈے برسائے گئے، خرید و فروخت ہوئی۔ انسانی ضمیر جنس بازار بن گیا۔ ووٹوں کی گنتی سے قبل ہی کامیابی کا اعلان کر دیا گیا۔

معاف کیجئے میرا تصور بھی حزبِ اختلاف کی طرح بے لگام ہے، کبھی کبھی بے قابو ہو جاتا ہے، جیسے آج کل کے روزے داروں کا مزاج۔ بات ہو رہی تھی سیاست کی۔ میں نے بزرگوں سے سُنا ہے کہ پاکستان بنانے میں طلباء نے

بھی نمایاں کارنامہ انجام دیا تھا، وہ سیاست میں حصہ لیتے تھے، اپنی آزادی کے لئے اور عزت وعظمت کے لئے تو پھر میں کیوں نہ سیاست میں حصہ لوں ؟

بزرگوں کی بات کو کون جھٹکائے۔ لیکن آج تو طلبا کے لئے سیاست یک طرفہ ہے یعنی یا تو وہ "ستی نادروں کے نادر" بن جائیں یا خوشامدیوں اور ضمیر فروشوں کے چیلے۔

ماضی اور حال کا یہ تضاد بڑا دلچسپ ہے ہم نے بھی سیاست سے وہ سیکھا، جو نہ سیکھنا چاہئے تھا، اسی طرح ہمارے اور بھائی بھی سیکھ رہے ہیں" اگر اسی کو سیکھنا اور حاصل کرنا کہتے ہیں تو پھر کھونا کسے کہیں گے" ؟؟

کالج کا الیکشن ہو گیا۔ یونین کے عہدے دار منتخب ہو گئے۔ لیکن میں اب بھی سوچ رہا ہوں کہ کیا جمہوریت کے اصول یہی ہیں —— اور کیا اسی کو انتخاب کہتے ہیں۔ میں سوچتا رہوں گا اور بھی لوگ سوچتے ہیں لیکن اس دور میں تو سوچنے والے کو پاگل کہا جاتا ہے" اس لئے آپ نہ سوچئے تو بہتر ہے"

اللہ میاں نے ان دنوں رحمتوں کے نزول کا کام چند برگزیدہ ہستیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ اس لئے آپ پر بھی رحمتوں کا نزول ہوگا۔

شرط صرف یہ ہے کہ آپ سوچنا اور سمجھنا چھوڑ دیجئے۔ عقل آپ کی بدترین دشمن ہے۔ اگر آپ نے عقل سے عقد کر لیا تو پھر گئے کام سے !!

نہ بنگلہ ملے گا اور نہ بیوی عقلمندی یہی ہے کہ عقل کو طلاق دیدیں۔ اور مشاعروں کے سامعین کی طرح صرف "واہ! واہ"!! "سبحان اللہ" کہتے رہیں۔

پھر دیکھئے قدرت کا کرشمہ !! اس طرح رحمتوں کا نزول ہوگا کہ آپ اللہ میاں کی رحمتوں کو بھی بھول جائینگے

میں نے اکثر "محلات" پر "ہٰذا من فضلِ ربی" لکھا ہوا دیکھا ہے۔ لیکن عربی زبان سے ناواقف ہوں اور اسی لئے "فضلِ ربی" کے معنی اب تک نہ سمجھ سکا ورنہ سیاست کو لیاقت کا ہم قافیہ سمجھنے کی حماقت کیوں کرتا ؟؟؟؟

سائل

ایک سائل نے دروازے پر آ کر صدا دی تو صاحب خانہ اندر سے بولا:۔

برکت ہے، معاف کرو۔
سائل نے کہا:۔
تھوڑا سا آٹا ہی دیدو
جواب ملا
وہ بھی نہیں ہے
سائل نے پھر کہا
اچھا تو ذرا سا نمک ہی دیدو
صاحب خانہ بولا: وہ بھی موجود نہیں
اس پر سائل نے تنگ آ کر کہا
اور کچھ نہیں تو تھوڑا سا پانی ہی پلادو
جواب ملا
گھڑا خالی ہے۔
اب سائل جھنجھلا کر کہنے لگا
"بھلے آدمی! اگر یہ حالت ہے تو یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو
آؤ میرے ساتھ چل بھیک ہی مانگو۔ تم تو مجھ سے بھی زیادہ خیرات کے مستحق ہو"

(از الیاس احمد)

برادری کی خواتین معاشی میدان میں

محمد صغیر

ہماری برادری کے خاندانی ڈھانچہ میں عورت و مرد میں تقسیم کار کی نوعیت اتنی سخت ہے کہ اس میں لچک کی گنجائش بالکل نہیں۔ گھر سے باہر کے مسائل جن میں معاشی و سماجی ذمہ داریاں شامل ہیں۔ مرد نے اپنے ذمہ رکھے ہیں۔ اور اس نے دوران خانہ امور کی بجا آوری عورت کے ذمہ کی۔ عورت کی اس ذمہ داری کی بجا آوری میں بھی مرد کا دخل قائم رہا۔ وہ جس چیز کو جس طرز اور نوعیت سے چاہتا ہے عورت کے لئے لازم ہے کہ اس کے خلاف نہ ہو۔

مثال کے طور پر گھر کا رہن سہن، کھانا پینا، غرض طرزِ معاشرت میں تغیر و تبدل گھر کے مرد (باپ یا خاوند جو بھی صورت ہو) کی مرضی کے مطابق عورت کے ہاتھوں ہوتا ہے جہاں کہیں عورت نے اپنی ان حدود کا لحاظ نہ رکھا وہاں رنجش ناچاقی اور ناخوشگواری پیدا ہو جاتی ہے۔

اس تقسیم کار کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ مرد کی دنیا عورت کی دنیا سے قطعی مختلف بنتی چلی گئی، مرد کی ذمہ داریاں، احساسات تقاضے اور فرائض عورت کی ذمہ داریوں، احساسات تقاضے اور فرائض سے قطعی مطابقت نہیں رکھتے۔

ان خیالات کی تقویت اس لئے بھی زیادہ ہوئی کہ ہمارے یہاں کی خواتین اول تو تعلیم سے بے بہرہ تھیں دوسرے انہیں اتنی ذہنی بلوغیت حاصل نہیں تھی کہ وہ اپنے متعلق حالات کا جائزہ لے سکیں اور صحیح فیصلہ کر کے ان پر عمل کر سکیں۔

مرد جو کہ پورے خاندان کی کفالت کرتا ہے یقینی طور پر جسمانی، معاشی اور ذہنی بالاتری کی وجہ سے خاندان میں نمایاں حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اور عورت جو معاشی میدان میں کچھ نہ کرتی تھی یا نہ کر سکتی تھی محض ایک LIABILITY بن جاتی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں مرد کا امتیازی حیثیت اختیار کر لینا قرین قیاس ہے۔

سماجی نقطۂ نظر سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک خاندان میں عورت اور مرد کی وہی صورت ہے جیسی کہ ایک گاڑی میں دو پہیے۔ جن میں ایک اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ دوسرا اس لئے مرد کو ہر چیز پر فوقیت یا برتری دینا اصول انصاف کے خلاف ہے۔

ایک اور پہلو جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ ایک خاندان جس میں پانچ چھ یا اس سے بھی زیادہ افراد ہیں اور صرف باپ یا خاوند کمائی کرنے والا ہے۔ اب ایک شخص کے کمانے کی

استطاعت ملاحظہ ہو اور باقی تمام افراد ہیں جو کہ صرف خرچ کرنا جانتے ہیں ۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اس طرح اگر ضروریات زندگی ہی پوری ہو جائیں تو غنیمت سمجھا جاتا ہے ۔ ان حالات میں معیارِ زندگی کے بلند کرنے کے متعلق کوئی کیا کر سکتا ہے ۔ ہماری برادری کی اتنی پرانی تاریخ اس بات کی تصدیق کرتی ہے ۔

ہماری برادری کی عورت تقسیم سے دس بارہ سال کے بعد تک بھی معاشی میدان میں نہ آ سکی ۔ البتہ تقسیم کے بعد چھوٹی پود نے جس کی عمر اُس وقت تین سے دس سال تک تھی، نئے ماحول میں ہوش سنبھالا ۔ گو انہیں اپنے بڑوں کے ذریعہ پرانی روایات کا علم ہو گیا تھا لیکن نئے ماحول کے تقاضوں نے انہیں پرانی باتوں کا بالکل پابند نہ ہونے دیا ۔

اس نسل نے یہ احساس کر لیا کہ معاشی میدان صرف مردوں کی حد تک محدود نہیں بلکہ اگر صحیح معنوں میں زندگی کو خوشگوار اور بہتر بنانا مقصود ہے تو عورت کو معاشی ذمہ داریاں بھی اٹھانی ہونگیں ۔

اس نئے شعور کی جھلک ہمیں خواتین میں تعلیمی فروغ سے ملتی ہے ۔ تقسیم ہند و پاکستان کے وقت ہم بمشکل دو چار ہی خواتین کا نام لے سکتے تھے ۔ جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہو ۔ اور ان میں سے بھی کسی نے اپنی تعلیم کو ذریعہ معاش بنانے کی ہمت نہیں کی ۔ اب تقسیم کے انیس ۱۹ سال بعد ہمیں خواتین کی ایک معقول تعداد ملتی ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور ان میں سے بیشتر اپنی تعلیمی معلومات سے فائدہ اٹھا کر معاشی میدان میں سرگرم ہیں ۔

اندازاً دو ہزار افراد کی برادری میں جہاں تقریباً پانچ سو مرد معاشی میدان میں مصروف ہیں وہاں گنتی کی تقریباً پچیس تیس خواتین سلسلے معاش میں منسلک ہیں ۔ یہ خواتین اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اس لئے انہوں نے زیادہ تر ذریعہ تعلیم ہی کو اپنا ذریعہ معاش منتخب کیا ہے ۔ تعلیم کے علاوہ دوسرے میدانوں مثلاً تجارت، صنعت، ملازمت اور پیشہ جات میں ہماری برادری کی خواتین نے بجز چند کے جانے کی ابھی ہمت نہیں کی ۔ بحیثیت مجموعی ان خواتین کی آمدنی نے قومی آمدنی میں نمایاں فرق پیدا نہیں کیا ۔ لیکن انفرادی خاندان میں ان ہی خواتین کی آمدنی ایک گرانقدر اضافہ ہے ۔ پہلے یہ جو LIABILITY تھیں اب معاشی معاون بن گئی ہیں ۔

اس حقیقی مشاہدہ اور تجزیہ سے قطع نظر اس بات کا بھی اصولی جائزہ لینا ہے کہ آیا خواتین کی معاشی ذمہ داریاں مرد کی موجودگی میں اٹھانی چاہئیں کہ نہیں ؟

اگر عورت مرد کے دوش بدوش فکرِ روزگار میں لگ جائے تو اس کا اثر گھریلو زندگی اور بچوں کی نگہداشت پر کیسا رہے گا ۔ کیا معاشی معاون بننے کی صورت میں عورت اپنے شوہر سے تعلقات خوشگوار رکھ سکتی ہے ؟؟

خواتین کا معاشی ذمہ داریاں اٹھانا یا نہ اٹھانا میری رائے میں کسی کی پسند پر منحصر نہ ہونا چاہئے ۔ اس بات کا صحیح فیصلہ وقت کے تقاضوں کے تحت اور انفرادی خاندان کے حالات کے بموجب ہونا چاہئے اس لئے میں کسی حتمی کلیہ FINAL GENERALIZATION کا اس

سلسلہ میں قائل نہیں۔ ہمارا مقصد دراصل بہتر اور اعلیٰ معیارِ زندگی ہے تاکہ ہم زندگی میں نعمتوں سے بھرپور طور پر خوشی حاصل کر سکیں۔ زندگی میں آرام و آسائش اور خوشی حاصل کرنے کے لئے بلا شبہ روپیہ ایک اہم ذریعہ ہے۔

مثال کے طور پر ایک خاندان جس میں مرد کی آمدنی معقول ہونے کے باوجود شوہر و بیوی اپنے طریقہ رہائش اور معیارِ زندگی سے مطمئن نہیں اور دونوں متلاشی ہیں کہ کسی بھی صورت آمدنی میں اضافہ ہو تاکہ حسبِ خواہش زندگی گزار سکیں اور اطمینان و سکون حاصل کر سکیں تو اس صورت میں دونوں کی مسلسل یہ کوشش ہونی چاہئے کہ دونوں مناسب طریقوں سے اپنی آمدنی کے ذرائع بڑھائیں۔ یہاں عورت کو بھی کمانے کی ذمہ داری پوری کرنی ہوگی تاکہ وہ مقصد جس کے لئے دونوں جدوجہد کر رہے ہیں جلد سے جلد حاصل ہو سکے۔ اس کے برخلاف اگر زندگی میں مناسب آرام و راحت اور خوشی محض مرد کی کمائی سے حاصل ہو سکتی ہے تو عورت کو مزید اس میدان میں کوشش کرنا بلا مقصد ہوگا۔

اس مثال سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے۔ شوہر، بیوی اور تین بچوں پر مشتمل ایک خاندان ہے جو ایک ہزار روپیہ ماہوار میں معقول گزارہ کر کے ہنسی خوشی رہ رہا ہے اور یہ خرچ مرد کی کمائی سے ہو رہا ہے۔ شوہر اور بیوی دونوں جس نوعیت سے گھر میں رہتے ہیں اس سے بالکل مطمئن ہیں گھریلو فضا خوشگوار اور صحت مند ہے۔ بچے بھی اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں اور آئندہ آنے والی ذمہ داریوں کے لئے بھی کچھ نہ کچھ بندوبست ہے۔ تو اس صورت میں اس خاندان کی عورت کو اپنی کمائی کے لئے ملازمت یا کسی اور ذریعہ سے معاش کی فکر نہ کرنی چاہئے۔ دراصل روپیہ ایک ذریعہ ہے مقصد کے حصول کا۔ اس ذریعہ کو بذاتِ خود مقصد سمجھنے والے زبردست غلطی کا شکار ہیں۔ ہمیں ذریعہ عزیز نہیں بلکہ مقصد عزیز ہے۔ اور مقصد کے حصول کے بعد ذریعہ عضوِ معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔

پہلی صورت میں جب کہ شوہر و بیوی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ خاندان کی آمدنی میں اضافے کی خاطر بیوی کو بھی معاشی میدان میں داخل ہونا چاہئے تو اس کے لازمی اثرات خاندان اور دوسرے افراد پر بھی پڑتے ہیں۔ گھر کی نگہداشت اور بچوں کی پرورش جو خالصتاً عورت کے فرائض ہیں اب بھی بیوی کو ہی پورے کرنے ہوں گے۔ اس لئے معاشی ذمہ داریوں کے ساتھ روائتی اور فطری و قدرتی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے پورا کرنے ہی میں عورت کی ذہانت اور فرض شناسی کا امتحان ہے۔

یہ ضرور ہے کہ عورت کے گھر سے باہر جانے سے گھر میں کچھ خلا پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ خلا خوشگواری سے پُر کیا جا سکتا ہے اگر شوہر و بیوی دونوں متفقہ طور پر اس کے لئے خواہاں ہوں۔ اور ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کے ساتھ تعاون کریں۔ یہ بات خاندان کے ہر فرد کے ذہن میں رہے کہ بیوی یا ماں (جو بھی صورت ہو) گھر سے باہر معاش کے لئے تفریحاً نہیں جا رہی بلکہ ضرورت اور مقصد کے تحت جا رہی ہے۔ اور یہ مقصد پورے خاندان کی بحیثیت مجموعی بہبودی اور بہتری ہے اس لئے اگر منصفانہ اور حقیقت پسندانہ طرزِ فکر رکھا جائے تو عورت معاشی مصروفیتوں کے باوجود

گھر کی نگہداشت اور بچوں کی پرورش کی ذمہ داری کما حقہ پورا کر سکتی ہے۔

تیسرا اور اہم سوال جو اس سلسلہ میں پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کے معاشی معاون بننے کی صورت میں شوہر سے اس کے تعلقات میں کیا اور کیسا فرق پڑ سکتا ہے۔ کیا کیا شوہر سے اپنے تعلقات خوشگوار رکھ سکتی ہے؟

دراصل یہ سوال ایسے ذہن کی پیداوار ہے جو مقصد کو چھوڑ کر ذریعہ یا اس کے ذیلی اثرات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اوپر بتایا ہے کہ عورت یہ مکمل حق حاصل ہے کہ وہ فکرِ معاش کرے اور اپنے والدین یا شوہر کے ساتھ خاندان کی بہتری اور بہبودی میں معاون ثابت ہو۔ میں یہاں دوبارہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ عورت کی فکرِ معاش کسی کی ضد، توڑ یا ہٹ دھرمی کا نتیجہ نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہ مثبت پہلو ذہن میں رکھ کر رضا و خوشی سے مقصد کے حصول کے لئے ہو۔ اگر مرد اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے اسے اپنے لئے باعث عار سمجھ بیٹھے تو یہ پورے خاندان کی ترقی کی کوششوں میں رکاوٹ پیدا کرنا ہوگا۔

دراصل عورت اپنے شوہر کی معاون بننا چاہتی ہے، مقابل نہیں۔ آپس میں مقابلہ کی اسپرٹ کو ہر صورت میں کچلنا اور دبانا چاہیئے ہم خیالی اور اتفاق رائے کے ساتھ ہر کام خوش اسلوبی سے ہو جاتا ہے۔ یہی اصول یہاں کارفرما ہونا چاہیئے۔ اس لئے اگر شوہر و بیوی ہم خیال و متفق ہیں کہ بیوی خاندان کی مکمل آمدنی میں اضافہ کے لئے فکرِ معاش کرے اور بیوی بھی دیگر فرائض کی طرح اسے بھی اپنی ذمہ داری سمجھے اور مقصد پیش نظر ہے تو شوہر و بیوی کے تعلقات یقیناً خوشگوار اور صحت مند رہیں گے۔

شکریہ

عطیات:-

۱۔ جناب حبیب احمد صاحب — ۳۰ روپے
میسرز سلیم اینڈ کمپنی۔ جوڑیا۔ بازار۔ کراچی

۲۔ جناب محمد ذکی احمد صاحب — ۳۰ روپے
میسرز پاؤنیر کیمیکلز انڈسٹریز۔ شیر شاہ۔ کراچی

بزم ادب ۱۹۶۶ء (ایک رپورٹ)

عیدگاہ سے آنے کے بعد ایک بجے تک محلے والوں اور پڑوسیوں سے مل لیں گے پھر کھانا کھا کر خالہ کے ہاں جائیں گے اور چار بجے تک آجائیں گے۔ جی ہاں عید کے لئے اسی قسم کا پروگرام برادری کے ہر گھر میں بن رہا ہے۔ مگر یہ تو چار بجے تک ہے اور اس کے بعد کا کیا رہے گا۔ مگر اس کے بعد کا پروگرام تو بنا بنایا ہے یعنی بزم ادب میں جائیں گے۔

بزم ادب سے ہماری قوم میں کون واقف نہیں۔

عید کا نام آیا اور بزم ادب کا تصور ہمارے ذہن میں گھوم گیا۔ مگر کچھ لوگ اس پر اعتراض کر رہے ہیں کیونکہ انہیں بزم ادب کا خیال عید کے نام سے نہیں بلکہ رمضان کے شروع ہوتے ہی بری طرح ستانا شروع کر دیتا ہے آپ پوچھیں گے کہ یہ کون لوگ ہیں تو جواباً عرض ہے کہ یہ ہیں "کارکنانِ بزم ادب"

جی ہاں یقین جانئے عید کی اس شام کو پُر لطف اور زیادہ دلچسپ بنانے میں ان لوگوں کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ مگر ایک جذبہ اور شوق ہے جس کے تحت یہ لوگ سب کام پوری تندہی سے انجام دیتے ہیں۔

عیاض احمد

(جنرل سیکریٹری بزم ادب)

ابھی رمضان شروع ہونے میں کچھ دن باقی تھے کہ سیکریٹری بزم ادب برائے سال ۱۹۶۵ء جناب ضمیر الحسن صاحب کو انتخابات کا خیال آیا اور انہوں نے رمضان کے پہلے ہی ہفتہ میں انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ جلسہ کے اختتام پر مندرجہ ذیل عہدیداران منتخب ہوئے۔

صدر :- صبیح الدین بقائیؔ

جنرل سیکریٹری :- عیاض احمد

جوائنٹ سیکریٹری :- محمد شاہد ذکائیؔ

پروگرام سیکریٹری :- محمد جبرائیل ذکائیؔ

خازن :- حبیب احمد

اس کے علاوہ جن کارکنان نے بزم ادب کے جلسہ کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

ہارون اختر، شکیل احمد ارتقائی۔ روشن اختر عزیز حسن جیلانی، عزیز الرحمٰن، عطاء الرحمٰن، حسین احمد گلزار صبیح الدین، محمد آصف۔ محمد بابر اور محمد انیس اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے اس جلسہ کو کامیاب

بنانے میں حصہ لیا۔

اُس زمانے میں ہمارا ملک جنگی حالات سے دوچار تھا اور بھارت سے جنگ ختم ہوئے چند ہی روز گذرے تھے اس وجہ سے کچھ لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ شائد اس سال بزم ادب نہ ہو سکے کیونکہ غیر یقینی حالات میں لوگ کم عطیات دیں گے۔ مگر ہماری برادری کے لوگ یہ کب گوارہ کر سکتے تھے کہ بزم ادب نہ ہو لہٰذا حسب معمول عطیات دیئے گئے اور کارکنان کی مستعدی کی وجہ سے پچھلے سالوں سے زیادہ ہی رقم جمع ہو گئی۔ کارکنان بزم ادب نے بھی یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس اعتماد کو جو ان پر کیا گیا تھا ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔

بزم ادب کا پروگرام عام ملکی جذبات کو مدنظر رکھ کر مرتب کیا گیا تھا مگر تاشقند کے معاہدے کی وجہ سے ہمیں بھی اپنے پروگرام میں کچھ تبدیلیاں کرنی پڑیں جوں جوں عید قریب آتی گئی تیاریوں کا وقت بڑھتا گیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ اصل تیاری صرف ایک ہفتہ ہی میں ہوئی۔ چاند کی گڑبڑ کی وجہ سے بھی تمام کارکنان کو کافی ذہنی پریشانی اٹھانی پڑی۔

بہرحال عید کو تمام کارکنان تین بجے ہی سے آنا شروع ہو گئے تاکہ تمام وقتی انتظامات بھی سہولت سے تکمیل پائیں۔

جلسہ کا آغاز پانچ بجے تلاوت قرآن پاک سے ہوا اس کے بعد صدر بزم ادب جناب صبیح الدین بقائی صاحب نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ صدر بزم ادب نے اپنی تقریر میں قومی یکجہتی پر زور دیا اور کہا کہ اگر مل جل کر کام کیا جائے تو کام بہتر طریقے سے انجام پاتا ہے۔

صدر بزم ادب کے بعد صدر اعلیٰ مجلس جناب مقصود حسین صاحب نے حاضرین کو خطاب کیا اور انہوں نے اپنی تقریر میں مختلف قومی مسائل اور ان کا حل پیش کیا۔ وقفہ نماز کے بعد سیکرٹری بزم ادب جناب ریاض احمد صاحب نے اپنی رپورٹ پیش کی اور بزم ادب کے پروگرام کے معیار کو بلند کرنے کے لئے چند تجاویز پیش کیں۔ سیکرٹری کی رپورٹ کے بعد تفریحی پروگرام شروع ہو گیا۔

پروگرام کی ابتداء ایک قومی نغمے "اپنے پرچم تلے" سے ہوئی جس کو لئیق آذر اور دوسرے بچوں نے پیش کیا یہ پروگرام بیحد پسند کیا گیا۔ ترانہ کے بعد

ڈرامہ "مقروض" پیش کیا گیا۔ جس کی ہدایت کاری اور پیش کش کے فرائض جناب انتظار احمد صاحب نے انجام دیے اور اس کے علاوہ کاسٹ میں بھی مرکزی کردار ادا کیا۔ ان کے علاوہ محمد آصف صاحب، ریاض احمد صاحب محمد سعید صدیقی صاحب اور انتشار الرحمٰن بھی کاسٹ میں شامل تھے۔

اس کے بعد بچوں کی ایک مزاحیہ قوالی پیش کی گئی اس کو ذوالفقار احمد اور ساتھیوں نے پیش کیا۔

قوالی کے بعد ڈرامہ "بندر کا پنجہ" پیش کیا گیا جس کو ریاض احمد صاحب نے پیش کیا اور ہدایت کار ہارون اختر صاحب تھے۔

ڈرامہ "بندر کا پنجہ" کے بعد ڈرامہ "کاروبار برائے فروخت" پیش کیا گیا اس کی پیش کش و ہدایت کاری کے فرائض حسین احمد گلزار صاحب نے انجام دیے۔ مرکزی کردار

جناب محمد جبرائیل صاحب کا تھا اور ان کے علاوہ سمیع الدین صاحب، ریاض احمد صاحب، محمد آصف صاحب، حسین احمد گلزار (تشا)، اشتیاق احمد صاحب، محمد بابر صاحب، محمد انیس صاحب، محمد اقبال صاحب اور محمد سعید صدیقی صاحب اس کی کاسٹ میں شامل تھے۔

اس کے بعد ایک فینسی ڈریس پیش کیا گیا جس میں مختلف ملکوں کے لوگوں نے اپنے لباس میں اپنی زبان میں حاضرین کو عید کی مبارک باد دی۔ یہ بھی ایک نیا تجربہ تھا جس کو حاضرین نے کافی پسند کیا۔ اس کی کاسٹ میں شکیل احمد ارتقائی صاحب، عزیز الرحمٰن صاحب، محمد انیس صاحب محمد سعید صدیقی صاحب، اخلاق الدین صاحب ارشد جمال صاحب اور انشاء الرحمٰن صاحب شامل تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے پروگرام میں ایک میجک شو، ایک بچوں کا لیکچر، غزلیں اور گانے بھی شامل تھے۔

پروگرام کے اختتام پر ججوں کا مشترکہ فیصلہ ڈاکٹر فریدالدین بقائی صاحب (جو خود بھی ایک جج تھے) نے پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے پروگرام کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پروگرام بحیثیت مجموعی ایک اچھا اور معیاری پروگرام تھا۔ انہوں نے مختلف پروگراموں پر الگ الگ ایک جامع تفریحی تنقید بھی کی۔ منصفین کے اعلان کے مطابق۔

ڈرامہ "مقروض" میں پہلا انعام انتظار احمد صاحب کو ملا اور دوسرا انعام محمد آصف صاحب کو ملا۔

ڈرامہ "بندر کے پنجہ" میں پہلا انعام شکیل احمد ارتقائی صاحب کو ملا اور دوسرا انعام عزیز حسن صاحب کو ملا

ڈرامہ "کار برائے فروخت" پہلا انعام سمیع الدین صاحب کو، دوسرا محمد جبرائیل ذکائی صاحب کو اور تیسرا انعام محمد آصف صاحب کو ملا

اور "فینسی ڈریس" میں پہلا انعام حافظ عزیز الرحمٰن صاحب کو اور دوسرا انعام ارشد جمال صاحب کو ملا۔

تقسیم انعامات کے بعد قومی ترانہ ہوا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

پروگراموں کے متعلق ہمیں مختلف آراء وصول ہوئیں ہیں۔

مثلاً بچوں کی قوالی کو کسی نے بیحد پسند کیا اور کسی نے کہا تو یہ کہا کہ بالکل پھٹیچر تھی۔ کسی کا خیال تھا کہ تمام ڈرامے بالکل بکواس تھے مگر کچھ لوگوں نے تمام ڈراموں کی بے انتہا تعریف کی۔

بہر حال بحیثیت مجموعی (جو اطلاعات ہمیں موصول ہوئیں ہیں) پروگرام کے متعلق عام لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک کامیاب پروگرام تھا۔

واللہ عالم بالصواب

گیارہ دسمبر ۱۹۶۶ء بزم ادب برائے سال ۱۹۶۷ کے لئے عہدیداران کا انتخاب ہوا۔ اس دفعہ انتخاب میں تھوڑی جلدی کی گئی تاکہ نئی کابینہ کو اپنا پروگرام تیار کرنے کے لئے مناسب وقت مل سکے۔ اس انتخاب میں مندرجہ ذیل عہدیداران بلا انتخاب منتخب ہوئے۔

صدر : منظور حسین۔

جنرل سیکرٹری : محمد فاضل۔

بقیہ صفحہ ۸ پر

CamScanner

وہ........؟

محمد جبرائیل ذکائی

شام کے سائے پھیلتے جا رہے تھے۔ میں صبح سے اس کی تلاش میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ لیکن بے سود مسلسل شکست و ناکامی نے میرے اعصاب کو پژمردہ کر دیا تھا۔ جنگل میں ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ صرف درندوں کی بھیانک آوازیں یا ہوا کی سائیں سائیں سنائی دے رہی تھی۔ لیکن میں ان تمام چیزوں سے بے نیاز۔ اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا۔ اور سوچ سوچ کر جھلا رہا تھا کہ آج کا دن کس قدر بے کیف اور داہیات گزر رہا ہے۔

مجھے رہ رہ کر اپنی ناکامی پر غصّہ آ رہا تھا۔ رائفل اور تھرماس بوجھ معلوم ہو رہی تھیں۔ اور دل چاہ رہا تھا کہ ان سب کو زمین پر دے ماروں۔ اور کچھ دیر آرام کر لوں۔

ڈاک بنگلہ اب چند قدم پر ہی رہ گیا تھا اس کو دیکھ کر میرے جسم میں تازگی کی لہر دوڑ گئی کہ اچانک میری نگاہ اس پر پڑی۔ وہ ڈاک بنگلہ کی قریبی چٹان پر گرد و پیش سے لاپرواہ۔ ایک ادائے مستانہ سے ڈاک بنگلہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

جیسے ہی میں نے اس کو دیکھا۔ میرے دل میں ہلچل مچ گئی۔ میں تڑپ اُٹھا۔ ہائے کیا پیاری آنکھیں ہیں۔ صراحی دار گردن۔ چھریرا بدن، سنہری رنگت۔ اُف۔ خدا کی شان ہے۔

میں فوراً ایک جھاڑی کی آڑ میں ہو گیا اور دبے قدموں سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھ کو دیکھ پائے۔ اتنی مشکل کے بعد تو دیدار ہوا تھا۔ اس لئے میں یہ موقعہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔ جوں جوں میں قریب ہوتا جا رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک میری ٹھوکر سے ایک پتھر لڑھکا اور وہ ایک دم چونک گئی۔ میں فوراً وہیں دبک گیا۔ وہ ابھی تک وہی کھڑی تھی اسے میری موجودگی کا علم نہ ہو سکا تھا۔ چند لمحوں بعد میں نے پھر بڑھنا شروع کیا اب وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلہ پر ہی رہ گئی تھی۔ کامیابی کو قریب پا کر خوشی سے میرے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

اچانک میرا تھرمس رائفل سے ٹکرایا۔ اور ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔

آواز پیدا ہوتے ہی اس نے مجھے دیکھا اور بجلی کی سی تیزی سے چٹان پر سے کود کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اور میں ہاتھ ملتا رہ گیا۔ مرے پہ سو دُرّے" ہرنی تو گئی سو گئی۔ کافی سے بھرا تھرمس بھی ہاتھ سے گیا۔

پیغامِ عمل

مقصود حسین
صدر مجلس انتظامی

اُٹھو اُٹھو اس خوابیدہ قوم کو جگا دو — افرادِ خود فراموشی میں گم ہیں اُنہیں اُٹھا دو
گرما دو ان کا لہو جوشِ عمل سے — اُن کو ترقی اقوام کے آداب سکھا دو

آج بھی ہماری قوم من حیثیت القوم وہیں ہے جہاں آج سے بیس سال قبل تھی اس میں شک نہیں کہ ہماری قوم کے افراد نے مالی اعتبار سے قیامِ پاکستان کے بعد خاصا سرمایہ جمع کر لیا ہے اور اکثر افراد آسودہ حال ہو گئے ہیں لیکن جہاں تک اجتماعی ترقی کا تعلق ہے اور قوم کی فلاحی کارکردگی کا سوال ہے ہم نے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا ہے۔ قوم کے عام افراد بالعموم اور متمول اصحاب بالخصوص اجتماعی کوششوں کے فوائد سے یا تو بالکل ناواقف ہیں یا عمداً اس سے گریزاں ہیں۔ دولتمندوں پر دولت نے خود فراموشی طاری کر دی ہے اجتماعی قومی ترقی کے لئے یہ از بس ضروری ہے کہ قوم کے تمام افراد دامے درمے سخنے قدمے قوم کے فلاحی کاموں میں دل کھول کر حصہ لیں صاحب دولت اور ذی حیثیت افراد دامے درمے مدد کریں غریب اور کم حیثیت افراد ہاتھ پاؤں اور اپنا قیمتی وقت دیکر مدد کریں۔ قوم کی مجلس نے فلاحی کاموں یعنی قومی حال کی تعمیر۔ غریب طلباء کی امداد۔ اصلاح رسوم کی ابتدا کر دی ہے۔ اپنی قوم کے نام کو حکومت سے رجسٹرڈ کرا لیا ہے جس کی تفصیل چھپے ہوئے پمفلٹ کی صورت میں عنقریب آپ تک پہنچ جائے گی۔

میں بحیثیت صدر مجلس انتظامی قوم کے نام پر تمام افرادِ قوم سے عموماً اور نوجوانوں سے خصوصاً جنکے دل خلوص اور جوشِ عمل سے معمور ہیں اور جو قوم کے آئندہ معمار ہیں اپیل کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا فلاحی کاموں میں زندہ قوم کے زندہ افراد کی طرح نیک نیتی اور فراخ دلی کے ساتھ حصہ لیکر قوم کو بامِ عروج پر پہنچائیں۔ متمول اصحاب مال سے اور غریب و نادار اصحاب اپنا قیمتی وقت دیکر مدد فرمائیں۔ بہت وقت گذر گیا لیکن اگر اب بھی قوم کے افراد پر بے حسی اور خود فراموشی طاری رہی تو پھر اس دنیا میں

"تمہاری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں"

حقیقی ایثار

حسین احمد گلزار

سید سہیل احمد علیگڈھ کے گریجویٹ اور دہلی کی ایک کھاتی پیتی شخصیت تھے۔ جو اپنی بیوی اور اپنے تینوں بچوں جلیل احمد، ندیم احمد اور شاہانہ کے ساتھ اطمینان سے زندگی گذار رہے تھے۔ چوتھے بچے کی پیدائش کے وقت نومولود بچہ اور بیوی راہی ملک عدم ہوگئے جس سے سید صاحب کو سخت صدمہ پہنچا۔ ان کے عزیز و اقارب نے انہیں عقد ثانی کا مشورہ دیا لیکن وہ راضی نہ ہوئے آخر کار جب ان کے خسر نے ان پر خود زور ڈالا اور ایک رشتہ تلاش کر کے ان کو آمادہ کرلیا کہ وہ اپنا گھر آباد کرلیں۔ آخر کار جب رشتہ داروں کا اصرار شدت اختیار کر گیا تو انہوں نے دوسری شادی کرلی۔ ان کی دوسری بیوی نہایت سلیقہ شعار حسین و جمیل اور لائق تھی۔ جس نے نہ صرف خاوند ہی سے انسیت کی بلکہ ان کی پہلی بیوی کی اولاد کو بھی وہ محبت بخشی جو کسی طرح۔ بھی ان کی حقیقی ماں سے کم نہ تھی۔

جلیل میٹرک میں اور ندیم آٹھویں میں زیر تعلیم تھے۔ بدخصلت رشتہ داروں اور بدطینت دوستوں نے بچوں کو سوتیلی ماں کے خلاف بھڑکانا۔۔۔ اور سکھانا شروع کر دیا۔ اور ان کو یہ بتایا کہ تمہاری ماں کی یہ محبت تو محض جھوٹی اور بناوٹی ہے۔ جو حقیقت میں تمہارے لئے میٹھا زہر ہے۔ یہ تو تمہیں بہلانے اور پھسلانے اور دنیا دکھاوے کی باتیں ہیں لیکن جب یہ خود صاحب اولاد ہو جائیں گی تو تم پر حقیقت آشکارا ہوگی کہ تمہاری حیثیت اس گھر میں کیا ہے۔

ناعاقبت اندیش بچوں نے اسے بالکل سچ سمجھا اور وہ دوست اور دشمن میں تمیز نہ کر سکے آخر کار دوسری بیوی سے بھی یکے بعد دیگرے دو سال کے عرصے میں دو بچے پیدا ہوئے جن کے نام منیر اور نصیر تھے۔

ان بچوں کے پیدا ہونے کے بعد بھی ماں کی محبت میں سوتیلے بچوں کے ساتھ کوئی فرق نہ پیدا ہو سکا، بلکہ اس کی محبت اور شفقت روز بروز بڑھتی رہی۔ لیکن ان کو اس طرح اکسایا گیا اور خلاف کیا گیا تھا کہ خصوصاً بڑے لڑکے جلیل نے وہ طرز عمل اختیار کئے جس سے نہ

مدت سید صاحب کی نئی بیوی کو ہی دکھ اٹھانے پڑے بلکہ سید صاحب کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ ان بچوں نے میری موجودہ بیوی کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔

بچے طرح طرح سے ماں کو تنگ کرتے ان کی حکم عدولی کرتے۔ لیکن اس نیک بخت نے ان ساری تکالیف کو ہنسی خوشی برداشت کیا اور اپنے بچوں کی نادانیوں کی طرح سمجھا اور اسے کبھی اپنی مخالفت یا ہتک نہ تصور کیا۔

شادی ہوئے پانچ سال کا عرصہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ سید صاحب کو استسقے کا مرض لاحق ہو گیا جس کے سبب ان کے پیٹ میں پانی بھر گیا اور پیٹ پھول کر نقارہ ہو گیا۔ سید صاحب اردن ہسپتال میں داخل ہو گئے دو مرتبہ پیٹ سے پانی نکالا گیا لیکن پھر بھی کوئی افاقہ نہ ہوا اور جب تیسری مرتبہ پانی نکالا جانے نکالا جانے لگا تو ان کا تنفس بگڑ گیا۔ کئی گھنٹے کی مسلسل جدوجہد کے باوجود ڈاکٹر بگڑتے ہوئے تنفس پر قابو نہ پا سکے اور سید صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ جب ان کی میت گھر پہنچی تو جنازہ دیکھتے ہی سید صاحب کی بیگم کو سخت صدمہ پہنچا اور ان پر دورے پڑنے لگے ان کو اپنے گھر کے اجڑ جانے کا اس قدر رنج ہوا کہ سوم کے روز سے وہ بے ہوش ہو ہو کر گئیں اکثر کھڑے کھڑے قد سے گر گر جاتیں۔ سہارے کے بغیر ان کے لئے چلنا ناممکن ہو گیا اگر کبھی سہارا دینے والے کی گرفت ذرا ڈھیلی ہوتی تو وہ زمین پر گر پڑتیں۔ بے ہوشی کے عالم میں بھی ان کے لبوں پر جلیل، ندیم اور شاہانہ کی تسبیح تھی۔ ان کو اپنے چھوڑے حقیقی بچوں کا مطلق فکر نہ تھی بلکہ ان بچوں کی فکر لاحق تھی۔

سوتیلی ماں کی اس بے لوث محبت کو دیکھ کر تینوں بچوں کی آنکھیں کھل گئیں اور خصوصاً جلیل کی آنکھوں پر سے غفلت کا پردہ اٹھ گیا اور اس نے کئی بار ان سے اپنی کوتاہیوں اور نادانیوں کا اعتراف کیا۔

جس کے جواب میں ان کے منہ سے ایک مشفق ماں کی طرح ماسوائے بھلائی اور خیر کے کلمات کے کچھ نہ نکلا۔ وہ تقریباً ایک ماہ تک اس عارضہ میں مبتلا رہیں، بیسویں دفعہ گرنے سے ان کی کہنیاں اور گھٹنے زخمی ہو گئے اور جب وہ دورے شدت اختیار کر گئے تو مرنے سے تین روز پیشتر انہوں نے جلیل، ندیم اور شاہانہ کو بلا کر انہیں کلیجہ سے لگایا سینے سے لگاتے ہی مرحوم شوہر کی یاد عود کر آئی اور ان کی آنکھیں بھر آئیں اور انہوں نے روتے ہوئے کہا میرے بچوں میں نے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایسی محبت کی ہے جیسے کہ تم میری ہی کوکھ سے پیدا ہوئے ہو۔

میں نے تم میں اور نصیر و منیر میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا اس لئے کہ تم اپنے باپ کے قریں ہو اور تمہارے باپ ایک قرین کی حیثیت سے تم سے محبت کرتے تھے تو میرا بھی یہ فرض تھا کہ میں تمہارے ساتھ وہی سلوک روا رکھوں اور ایسی ہی محبت کروں جو تمہیں ایک حقیقی ماں سے میسر آ سکتی تھی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اب میرا وقت قریب

CamScanner

آگیا ہے۔ حتی الامکان میں نے اپنے فرض کو ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی اگر مجھ سے کوئی خامی رہ گئی ہو تو عند اللہ مجھے معاف کر دینا۔

مجھے امید ہے کہ میرا خدا بھی مجھے کسی ایسی کوتاہی کے سبب اپنی پکڑ میں نہ لے گا جو مجھ سے نادانستگی میں سرزد ہو گئی ہو۔ اور آج میں تم سے بھی اس بات کی متمنی ہوں کہ منیر اور نصیر بھی تمہارے والد کے قریبی ہیں اس لئے تمہیں لازم ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اگر تم میرے سامنے سچے دل سے اقرار کر لو گے تو میں اپنی جان آسانی اور سکون کے ساتھ جان آفریں کے سپرد کر سکوں گی۔

تیسرے روز ہی سید صاحب مرحوم کی بیگم اپنے پانچوں بچوں کو بے سہارا چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئیں اور اپنے کردار سے ایسا نمونہ پیش کر گئیں جس کی مثالیں اس دنیا میں شاذ ہیں۔ چھوٹے بچے تو خورد سال تھے لیکن تینوں ہوشیار بچوں کو جو صدمہ عظیم اپنی سوتیلی ماں کی مفارقت سے پہنچا وہ ناقابل تحریر ہے۔

بچوں نے ماں کی وصیت کو پورا کر دکھایا۔ بڑے بیٹے جلیل نے اپنی بہن شاہانہ کی شادی ایک اونچے گھرانے میں کر دی اور اپنے تینوں بھائیوں کی سرپرستی کی اور ان کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ پھر تینوں بھائیوں نے مشترکہ کاروبار شروع کر دیا۔ ان کے درمیان ایسی بے مثال محبت تھی جس کی نظیر حقیقی بھائیوں میں بھی نظر نہیں آتی۔

"کفایت شعار خواتین خوب جانتی ہیں کہ جوتے خوبصورت بھی ہوں اور خوش نما بھی"

اور

خوبصورت

سبک اور

دیرپا

زنانہ جوتوں (سینڈل۔ چپل وغیرہ) کے لئے ہمارا نام عمدگی کی ضمانت ہے۔

انٹرنیشنل فٹ ویئر۔ الفنسٹن اسٹریٹ
کراچی

بزم خواتین کی سرگرمیاں

مسرّت ذکی احمد
(جنرل سیکرٹری)

اب سے تقریباً تیس سال قبل بزم خواتین کی سنگِ بنیاد جناب بیگم شیخ محمد مقصود صاحبہ اور بیگم حکیم امین الدین صاحبہ کے ہاتھوں پروان چڑھی یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خواتین کی معلومات کا دائرہ صرف گھر کی چار دیواری تک محدود تھا۔ لہٰذا نتیجتاً یہ خواتین کی تنگ نظری کو دیکھتے ہوئے اس بزم کی بنیاد پڑی۔

جب سے اب تک یہ بزم خواتین مختلف شہروں میں عزم کے ساتھ چل رہی ہے۔

اس سال بزم خواتین کا الیکشن ماہ ستمبر ۱۹۶۶ء کو بیگم شیخ محمد مقصود صاحبہ کے مکان پر منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل عہدہ دار منتخب ہوئے۔

صدر : بیگم نثار احمد صاحبہ
نائب صدر : بیگم مقصود حسین صاحبہ
سیکرٹری : بیگم محمد ذکی احمد صاحبہ
سوشل سیکرٹری : بیگم نظام الدین صاحبہ
خزانچی : بیگم محمد احمد صاحبہ

اس جلسہ میں یہ بھی طے پایا کہ بزم خواتین کا سالانہ چندہ چھ روپے سے بڑھا دیا جائے۔

لہٰذا سال رواں کا پہلا فینکشن پکنک پارٹی سے ہوا جو کہ ۲۱ اکتوبر بروز جمعہ ہاکس بے پر منائی گئی۔ اس میں ممبران کی کثیر تعداد اور دیگر خواتین برادری اور بچوں نے جوشِ وخروش سے شرکت کی یہ پکنک اپنی نوعیت کے لحاظ سے نمایاں ثابت ہوئی۔ بچوں نے اور بڑوں نے سبھی نے خوب لطف اٹھایا۔ بزم کی جانب سے پُر لطف چائے کی تواضع بھی کی گئی۔

۱۲ دسمبر ۶۶ء کو پاس ہونے والی طالبات کو پارٹی دی گئی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے بیگم حکیم امین الدین صاحبہ نے شرکت کی اس تقریب میں امید سے زیادہ رونق اور گہما گہمی رہی کامیاب طالبات کو پھولوں کے ہار پیش کئے گئے اور مبارک باد دی گئی اس کے بعد دیگر معزز خواتین کی تقاریر ہوئیں۔ اور پھر بزم کی جانب سے تواضع کی گئی۔

۲۸ دسمبر ۱۹۶۶ء بروز بدھ کو جناب شیخ بیگم محمد مقصود صاحبہ کے گھر رمضان المبارک کے

اہتمام میں محفل میلاد منعقد ہوا۔ جس میں تمام ممبران اور دیگر خواتین نے شرکت کی۔

اس محفل میں استانی صاحبہ نے رمضان المبارک کی فضیلت و دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی۔

گو اس مختصر سے عرصے میں یہ چند تقریبیں مایوس کن ثابت نہیں ہوئیں مگر ضرورت محسوس ہوتی ہے ہم بزم خواتین کو مستحکم اور روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن کرتے رہیں۔ تمام خواتین برادری اس میں جوش و خروش سے حصہ لیں۔

تاکہ بزم کو صحیح معنوں میں افادیت حاصل ہو سکے۔ میں تمام خواتین قوم سے اپیل کرتی ہوں کہ اپنی گوناگوں مصروفیتوں میں سے کچھ وقت بزم کے لئے بھی نکالا کریں اور اس کے پروگراموں میں حصہ لیکر اس کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی دیں۔

شکریہ!۔

علم و عمل بکڈپو

کی طرف سے

عید مبارک

ہم ان کرم فرماؤں کے مشکور ہیں جنہوں نے ہماری دکان پر تشریف لاکر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ہمارے یہاں درجہ اول کے ایم۔ اے، ایم ایس سی، ایم۔ کام۔ ایم، بی اے۔ بی، آئی، آئی ٹی انجینیرنگ اور ٹیکنیکل کورس کی کتابیں بارعایت دستیاب ہیں۔ اور

کیا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ

ہمارے یہاں ہر قسم کی اسٹیشنری کا سامان بھی مناسب قیمت پر دستیاب ہے۔ بسرادری کی واحد دکان یہاں پر مندرجہ بالا چیزیں نہایت ہی مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔

علم و عمل بکڈپو۔ ۷۶ ٹریننگ فریرو پریڈی اسٹریٹ۔ صدر کراچی

روزہ کا معاشرتی پہلو

صبیح الدین بقائی

عام طور سے روزہ انفرادی عبادت سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس میں فرد کا ذاتِ باری تعالیٰ سے براہِ راست معاملہ اور تعلق کا تصور کیا جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالےٰ ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا اجر دوں گا اس کا مطلب بھی یہی لیا جاتا ہے کہ روزہ ایسی عبادت ہے کہ جو صرف خداوند تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے رکھا جاتا ہے دنیاوی فائدہ اس سے کوئی نہیں۔

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ روزہ کا تعلق براہ راست باری تعالےٰ سے ہے مگر دوسری عبادتوں کی طرح روزے کے بھی دنیاوی فائدے ہیں اور اس کا معاشرتی پہلو بھی ہے جس کو ہم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

روزے کے کم از کم چار معاشرتی پہلو ایسے ہیں کہ جن کا ذکر ضروری ہے۔

۱۔ خود خداوند تعالےٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ روزہ کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ لوگ متقی ہو جائیں۔ متقی سے مراد ایسا شخص ہے جو خدا سے ڈرتا ہو اور خدا کی وحدانیت اور جزویت کا قائل ہو کر اس کے جملہ احکامات کی تعمیل کرتا ہو۔ متقی شخص صرف اللہ سے ڈرنے والا اور اس کی خلوص دل سے عبادت کرنے والا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ دنیاوی قانون اور اپنی مملکت اور معاشرہ کے مروجہ قدروں کا حامی ہوتا ہے اور ان کا پیروکار ہوتا ہے لہٰذا روزے دار صرف اپنے خدا کی عبادت اور اس کے احکامات کی تعمیل میں ہی اپنا وقت نہیں گزارتا بلکہ معاشرہ کی عائدکردہ قیود کا بھی پابند ہوتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ روزہ صرف کھانے پینے سے محروم رہنے کا نام نہیں بلکہ روزہ آنکھ، کان، زبان سب کی عبادت کا نام ہے یعنی آنکھ

سے ایسی بات نہیں کرنی جو اللہ نے حرام کی یا معاشرہ نے جس کی اجازت نہیں دی اسی طرح کان کو لغو اور بے ہودہ باتوں سے محفوظ رکھنا ہے اور زبان سے جھوٹ بولنا یا غیبت کرنا برا ہے یہ تمام قیود ایسی ہیں جو سماج کی بہتری کے لئے بھی فرد کو اپنانی چاہئیں ان کی پابندی سے فرد صرف اپنی ذاتی اصلاح نہیں کرتا بلکہ سماج میں متعدد اخلاقی امراض کے فروغ دینے سے باز رہتا ہے۔

اسی لئے ایک متقی شخص نہ صرف نیک اور دیندار ہوتا ہے بلکہ دنیا کے لحاظ سے بھی وہ معاشرہ کے تمام اعلیٰ قدروں کا علمبردار اور اخلاق و عادات کا اچھا نمونہ ہوتا ہے اس کی دنیاوی زندگی بھی اچھائی کی حامل ہوتی ہے اسی لئے وہ معاشرہ کا اچھا رکن ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا معاشرتی پہلو روزہ کا یہ ہے کہ صرف کھانے پینے کا نام ہی زندگی نہیں اگر غور سے ہم اپنی زندگی کا مطالعہ کریں تو اس کا بیشتر حصہ کھانے پینے اور ان کے اہتمام میں گزر جاتا ہے۔

اگر حساب لگایا جائے تو شاید عمر کا تہائی حصہ سے زائد اسی میں صرف ہو جاتا ہے جو بہت زائد ہے اسی لئے بزرگ اور ولی اللہ کھانے کے بارے میں یہ تاکید کرتے ہیں کہ اتنا کھائے جتنا زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے نہ کہ زندہ رہے صرف کھانے کے لئے۔

موجودہ صورت میں عام آدمی کھانے کے لئے زندہ رہتا ہے جو انسانیت کی حد سے گرنے کے مساوی ہے۔ عام آدمی ایسا نہیں کر سکتا کہ صرف زندہ رہنے کے لئے کھائے تو کم از کم روزہ رکھ کر کم کھانے بھوک اور پیاس کی برداشت کرنے اور کھانے پینے میں بیجا اور زائد وقت صرف کرنے کی بری عادت سے نجات پا سکتا ہے ہم اگر افطاری اور سحری میں کھانے پینے کا اہتمام زائد کرتے ہیں اور روزمرہ سے زائد قسم قسم کی خوراک کھاتے ہیں تو ہم روزہ کی اس پوشیدہ راز اور اہم مقصد سے دور ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں آج کل کی میڈیکل سائنس کی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ بیماریاں زائد کھانے وقت بے وقت کھانے یا کھانے میں دوسری قسم کی بداحتیاطی سے بہت پیدا ہوتی ہیں اور لاکھوں جانیں اس وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے اس قدر جانیں ضائع نہیں ہوتیں جس قدر کھانے پینے کی بداعتدالیوں سے۔ دوسرے کئی امراض مثلاً دل کی کمزوری دل کا بیٹھنا، موٹاپا وغیرہ ایسے مرض ہیں

CS CamScanner

جن کا براہ راست تعلق زائد خوراک سے
ہے اسی لئے امیروں اور کھاتے پیتے خاندانوں
کے افراد ان میں زیادہ تر مبتلا ہوتے ہیں۔
ہر معاشرہ چاہتا ہے کہ اس کے افراد اچھی
صحت کے حامل ہوں تندرست اور توانا
ہوں۔ تندرستی اور صحت کے لئے خوراک
کا توازن ضروری ہے روزہ سکھلاتا ہے
کہ کس طرح کھانے پینے میں اعتدال سے کام
لیا جائے اور بغیر روزمرہ کی زندگی کے
معمول میں فرق لائے دن رات میں صرف
ایک وقت یا زائد سے زائد دو وقت
کھا کر گزارا کیا جائے۔

۳۔ تیسرا معاشرتی فائدہ روزہ سے یہ ہے کہ
صاحب استطاعت لوگ بھی بھوک اور
پیاس کی شدت کا احساس کرنے لگیں اور
فقیر و غریب لوگوں کی حالت کا اندازہ
لگا سکیں۔

جب تک انسان ایک حالت سے
خود نہ گذرے اس کے نشیب و فراز سے
پوری واقفیت نہیں حاصل کرسکتا۔ بھوکا
پیاسا رہ کر ہی بھوکے پیاسے لوگوں کی حالت
کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح نہ صرف امرا غریبوں اور
فاقہ کشوں کی مدد کے لئے جلد آمادہ ہو سکتے
ہیں بلکہ روزے میں کھانے پینے کی افراط
سے جو بچت ہو اس کو وہ آسانی سے دوسروں
کی ضروریات پوری کرنے میں صرف کر سکتے
ہیں اسی لئے ماہ رمضان میں ہی زکوٰۃ اور
صدقہ فطر ادا کرنا بہتر ہے کہ صاحب استطاعت
حضرات کو روزے رکھ کر غریبوں کی حالت
اور اس کا پس منظر سمجھ میں آگیا ہے اب
وہ امداد کے زائد قائل ہیں اور ان میں
آمادگی پیدا ہوگئی ہے اس لئے اپنا مال یا
کمائی میں دوسروں کو حقدار بنانا آسان
ہے معاشرتی تفاوت ختم کرنے میں اس
طرح روزہ بہت اہم کردار ادا کرتا ہے
اور اسلامی یکسانیت اور دوسروں کے
حقوق کی نگہداشت کا اچھا سبق دیتا ہے
معاشرہ کی بہبودی کے لئے دوسروں کا
اپنے سے کمتر لوگوں کی ضروریات کا احساس
کرنا بہت ضروری ہے اور روزہ اور زکوٰۃ
اس احساس کو اجاگر کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھا معاشرتی پہلو روزے کا یہ ہے کہ کھانے
اور پینے کے اوقات میں پابندی کرنی پڑتی
ہے جو صحت کے لحاظ سے بھی ضروری ہے
اور اپنے اوقات کی بہتر تنظیم اور مناسب
استعمال کے لئے بھی لازمی ہے۔

آج کل کی ہنگامہ خیز زندگی میں شہری
بھاگ دوڑ میں بہت کم اشخاص کو مناسب
وقت اور پابندی وقت سے کھانا نصیب

ہوتا ہے روزانہ صبح کھاتے ہیں تو افطار کو دوپہر کو دیر سے ملتا ہے راتوں کو کلبوں میں دعوتوں میں زائد بھی کھاتے ہیں اور بے وقت کھاتے ہیں، اس سے صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اطبا کے مدائیے کے لحاظ سے مقررہ وقت پر پابندی سے کھانا صحت کے لئے ضروری ہے نظام زندگی قدرت نے ایسا بنایا ہے کہ ہمارا معدہ اور دوسرے اعضائے رئیسہ خاموشی سے اپنا اپنا کام کئے جاتے ہیں مگران اعضائے رئیسہ کے افعال میں ہر کام مقررہ وقت پر کرنے سے بڑی مدد ملتی ہے جلدی جلدی میں اور وقت بے وقت کھانے سے معدہ خراب رہتا ہے ہاضمہ درست نہیں رہتا۔ لہٰذا روزے میں کھانے کے اوقات کی پابندی کرنے سے ہاضمہ کے فعل کو مدد ملتی ہے اور معدہ کو آرام بھی ملتا ہے اسی لئے دیکھا گیا ہے کہ روزے کی برکت سے رمضان المبارک کے مہینہ میں لوگ بہت سی معدے کی بیماریوں اور دوسری تکالیف سے بچے رہتے ہیں یہ بذات خود بڑا فائدہ ہے۔

کیا آپ مکان تعمیر کر رہے ہیں؟

سینٹری کے جملہ سامان

مثلاً

واش بیسن - باتھ ٹب

اور ہر قسم کی فٹنگ وغیرہ کے لئے ہماری خدمات حاصل کیجئے

ہمارا نصب العین آپ کی تسلی

نیشنل سینیٹری مارٹ

پیریڈی اسٹریٹ - مقابل ریگل سنیما - صدر - کراچی

ایک خیال

خالد کوثر

قوموں کی ترقی میں جہاں اور بہت سی باتیں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ وہاں قومی یکجہتی ایک بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح ایک کمزور بنیاد پر مضبوط عمارت قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح غیر منظم افراد ایک مضبوط اور مستحکم قوم نہیں بن سکتے۔

اتحاد کی ضرورت صرف اس طرح پوری نہیں ہو جاتی کہ لوگ ایک جگہ جمع ہو کر چند فیصلے کر لیں اور اس مقام سے ہٹنے کے بعد ان فیصلوں پر عمل نہ کریں در اصل ان فیصلوں کے کرنے کے بعد ان پر عمل پیرا ہونا اور نہ صرف خود ان پر کاربند ہونا بلکہ دوسروں کو بھی ان پر عمل کرانا ضروری ہے۔ تاکہ وہ کامیابی اور نتائج جن کے لئے کوششیں کی گئی ہیں۔ حاصل ہو جائیں۔

ہماری قوم شاہانِ مغلیہ کے زمانے سے ایک بلند مقام اور اعلیٰ اقتدار کی حامل تھی مگر آج ہماری وہ حیثیت نہیں ہے۔ یہاں میرا مقصد یہ نہیں کہ ہماری قوم کے افراد نے ترقی نہیں کی۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہماری قوم کے افراد بہ نسبت پہلے کے بہتر تعلیم سے آراستہ ہیں اور ان کی مالی حالت بھی پہلے کی نسبت بہت اچھی ہے۔ لیکن یہ تمام ترقی انفرادی حیثیت میں نظر آتی ہے جہاں تک اجتماعی حیثیت کا تعلق ہے ہماری ترقی کی رفتار اسپِ پژمردہ کی مانند ہے۔ گو کہ ہماری برادری کے افراد کسی لحاظ سے بھی دوسروں سے کم نہیں ہیں۔ ہم میں ہر قسم کے قابل افراد موجود ہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ہم میں بہتر سے بہتر ماہرِ فن افراد موجود ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہمارے ترقی نہ کرنے کے اسباب کیا ہیں۔

اس کی سب سے بڑی وجہ ہماری ناعاقبت اندیشی ہے۔ ہم سب چھوٹی چھوٹی باتوں پر بحث و تمحیص کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان تمام ضروری مسائل کو یکسر پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ جن کا حل نکالنا اشد ضروری ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ تمام ضروری مسائل تکمیل تک پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم یکجا ہو کر ان مسائل کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں جو کہ ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اور ان تمام افراد کو جو کہ ان کاموں میں رکاوٹ ڈالے ہوئے ہیں یکسر نظر انداز کر کے اس ہوشمند عمل سے ان کاموں کو مکمل کریں کہ ان کی مخالفت

CamScanner

کی اہمیت ہی نہ رہے
اگر ہم سب مل کر ایک دوسرے کی ترقی کے معاون بن جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا شمار بھی ان ترقی یافتہ قوموں میں ہونے لگے۔ جن کی عزت کرنے پر دنیا مجبور ہو جاتی ہے۔
آیئے! آج ہم سب افرادِ قوم اور خصوصاً نوجوانانِ قوم عہد کریں کہ ہم آئندہ کم از کم ایک ماہ میں ایک دن قوم کے فلاحی کاموں میں صرف کریں گے۔
اور ہر ماہ میں ایک دن کی آمدنی قوم کے تعمیر اور فلاحی فنڈ میں دیں گے۔
مجھے امید ہے کہ قوم کے نوجوان اس تجویز اور اپیل کو لبیک کہیں گے۔
وما توفیقی اللہ باللہ

جنگ

ابا جان دو ملکوں میں جنگ کیسے ہوتی ہے؟ لڑکے نے تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے پوچھا۔
"بس تم یہ سمجھو جیسے امریکہ اور برطانیہ میں جھگڑا ہو جاتے۔ اور"
"تم جھوٹ کہتے ہو۔ برطانیہ اور امریکہ آپس میں کبھی نہیں لڑتے"
بیوی خاوند کی بات کاٹتے ہوئے بولی
"میں تو صرف مثال دے رہا تھا" خاوند نے وضاحت کرنی چاہی
"تم ایسی ہی غلط مثالیں دے کر بچہ کا دماغ خراب کر دو گے"
بیوی نے چٹکی لی۔
"تو کیا میں اس کا دشمن ہوں" خاوند غصے میں ہکلایا۔
بات بڑھ گئی اور ذرا سی دیر میں برتن ٹوٹنے لگے۔ اور جب نشانہ بازی سے ہٹ کر نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی تو لڑکا خوشی سے چلا اٹھا۔
"شکریہ ابا جان! شکریہ پیاری امی! اب میں سمجھ گیا کہ جنگ کیسے شروع ہوتی ہے۔

عزیز حسن جیلانی حت سعید

ہم خیال اور ہم

(جواد صاحب سے معذرت کیساتھ)

عیاض احمد

یار "ہم خیال" کے لئے کوئی مضمون، افسانہ وغیرہ جلدی سے لکھ کر دو فرینڈز سرکل کے لٹریری سیکرٹری جواد صاحب ہم سے مصر تھے۔

مگر میاں ہم تو سائنس کے طالب علم ہیں اور اردو تو ہماری ویسے ہی کمزور ہے بس بول لیتے ہیں لہذا ہمیں تو آپ معاف ہی رکھیں ہم نے کورا سا جواب دے دیا۔

مگر جواد صاحب بھی آخر ہماری طرح کے طالب علم ہیں فوراً کہنے لگے۔ "یار کوئی سائنسی مضمون ہی لکھ لاؤ مگر شرط یہ ہے کہ دلچسپ اور عام فہم ہو"۔ اور ہم بُری طرح پھنس گئے۔ کیونکہ سائنسی مضمون لکھنے میں تو کوئی قباحت نہ تھی مگر سوال تھا اس کے دلچسپ اور عام فہم ہونے کا۔ لہذا ہم نے کہدیا کہ کوشش کریں گے۔

"جی کوشش نہیں آپ اس کو زیادہ سے زیادہ دو، دن میں لکھ کر مجھے دے دیں گے ورنہ"........

"ورنہ کیا" اب ہمیں بھی غصہ آگیا مگر جواد صاحب اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے جا چکے تھے۔

اب ہم نے بھی سوچ لیا تھا کہ جب تک رسالہ نہیں چھپ جائے گا ہم جواد صاحب سے نہیں ملیں گے۔ نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری۔ نہ ہم ان سے ملیں گے اور نہ وہ کوئی تقاضا کر سکیں گے۔ مگر خدا بھلا کرے ان بزم ادب والوں کا ہم دونوں کو ایک ہی وقت یعنی افطاری پر بلالیا اور اصرار اس قدر شدید تھا کہ ہم کوئی گولی بھی نہ دے سکے۔ اور پھر جب ہم "چل تو جلال تو، آئی بلا کو ٹال تو" کا وظیفہ پڑھتے ہوئے مقام مقررہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر دل کو انتہائی سکون ہوا کہ وہاں جواد صاحب موجود نہیں ہیں۔ اور پھر ہم جوتے اتار کر نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ کیلوں کی پلیٹ (کیلے ہمیں بہت پسند ہیں) کے سامنے بیٹھ گئے اور سائرن بجنے کا انتظار کرنے لگے۔

ابھی ہم دل ہی دل میں جواد صاحب کے نہ آنے کی دعا مانگ رہے تھے کہ سائرن کی آواز سنائی دی، اور جیسے ہم نے میٹھی میٹھی —— کھجور منہ میں رکھی جواد صاحب حاضر۔ ہم نے گھبراہٹ میں یہ سمجھ کر کہ جواد صاحب ہمارے اس کھجور کے منہ میں جانے سے نمودار ہوئے ہیں (اور ہمارے منہ سے نکلا —— ایں —— یہ کیا-) فوراً کھجور باہر نکال لی مگر یہ دیکھ کر ہمیں سخت مایوسی ہوئی کہ جواد صاحب غائب ہونے کے بجائے نہایت جلدی میں اپنے جوتے

اتار رہے تھے۔

نیر صاحب افطار کا وقت اور پھر اس کے بعد نماز کا وقت خیریت سے گزرا۔ نماز پڑھ کر ابھی ہم گول ہونے کی سوچ ہی رہے تھے کہ جواد صاحب ایک فائل جس پر خوشنما لفظوں میں "ہم خیال" لکھا تھا، ہاتھ میں لئے منکر نکیر کی طرح ہمارے پاس آئے اور آتے ہی سوال داغ دیا۔

مضمون لکھا؟

مگر ہم بھی تیار تھے فوراً گولی دی "یار ٹائم ہی نہیں ملا"۔ ابھی ہم نے یہ کہا ہی تھا کہ جواد صاحب کا منہ لٹک گیا اور تب ہی ہمیں ان کے کام کرنے کے خلوص اور جذبے اور اپنی سستی اور لاپرواہی کا احساس ہوا۔ لہٰذا ہم نے خود ہی فوراً وعدہ کرلیا کہ انشاءاللہ دو تین دن میں ہم خود ہی کوئی مضمون دے جائیں گے اور اس کے علاوہ بھی اگر کوئی کام ہو تو ہم بسر و چشم کرنے کو تیار ہیں۔

جواد صاحب نے بھی موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ہمیں مکھن لگاتے ہوئے ہم سے کئی کام کرنے کے وعدے لے لئے اور ہمیں اپنی ورکنگ کمیٹی میں شامل کرلیا (اگرچہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا) گھر واپس آتے وقت ہم یہ سوچ رہے تھے کہ کل جس طرح بھی ہوگا کچھ الٹا سیدھا لکھ ہی ڈالیں گے تاکہ آئندہ کوئی ندامت نہ ہو۔

مگر صاحب وہ وعدہ ہی کیا جو ایفا ہو جائے۔ تین دن تک ہم کچھ بھی نہ لکھ سکے۔ جی یہ بات نہیں کہ کوشش ہی نہیں کی۔ کوشش تو بہت کی مگر جب بھی لکھنے بیٹھے یا تو موضوع ہی نہیں متعین ہوا یا اگر موضوع ملتا تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھا جائے۔ تیسرے دن ہم اتفاق سے یونیورسٹی سے جلدی گھر جو پہنچے تو ہمیں جواد صاحب کا یہ پیغام موصول ہوا۔

پیارے عیاض!

السلام علیکم

آپ نے حسب وعدہ مضمون مجھے نہیں

پہنچایا ہے۔ امید ہے لکھ تو لیا ہوگا۔ میں کل

شام کو آپ سے لے لوں گا　　فقط

جواد

اب تو ہم بہت سٹ پٹائے فوراً ہی پیڈ اور پین لیکر بیٹھ گئے۔ پہلے صفحہ پر اپنا نام لکھنے کی مشق کرنے کے بعد (ہمیں یہ عادت ہے کہ جب کچھ سمجھ میں نہیں آتا تو خود بخود اپنا نام لکھنے لگتے ہیں) یہ طے کیا کہ سائنس ہی کو موضوع مشق بنایا جائے اور کیونکہ یہ جوہری دور ہے لہٰذا اگر یہ بتا دیا جائے کہ جوہر سے توانائی کس طرح حاصل ہوتی ہے تو یہ بہت بڑی خدمت خلق ہوگی۔ مگر مصیبت وہی آن پڑی کہ اسے دلچسپ عام فہم اور مختصر کیسے کیا جائے۔ کیونکہ اگر ہم یہاں سے شروع کریں کہ جوہر کے مرکز کے انشقاق یا گداخت سے کچھ مادہ توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے فزکس نہ پڑھنے والے یہ سوچیں گے یہ جوہر اور اس کا مرکز کیا بلا ہوتا ہے۔ انشقاق اور گداخت کس چڑیا کا نام ہے۔ یہ سوچ کر ہم نے سوچا کہ جوہر کی سب سے پرانی تعریف سے شروع کیا جائے۔ چنانچہ ہم نے لکھنا شروع کیا۔

قدیم یونانیوں کے خیال کے مطابق جوہر عناصر کا وہ چھوٹے سے چھوٹا حصہ ہے جو مزید منقسم نہ کیا جاسکے

مگر لاحول ولا قوت۔

اب اس تعریف کے لکھنے کا کیا فائدہ آج کل کے لحاظ سے تو یہ بالکل غلط ہوگی۔ یہ سوچ کر ہم نے یہ تعریف لکھی: "رادر فورڈ کے خیال کے مطابق جوہر ایک بھاری مرکز (جو نیوٹرون اور پروٹون سے مل کر بنتا ہے) اور الکٹرون (جو اس کے چاروں طرف چکر لگاتے ہیں) پر مشتمل ہے۔"

دست تیرے کی پھر وہی مصیبت یعنی اب یہ بھی لکھنا پڑے گا کہ یہ نیوٹرون، پروٹون اور الکٹرون کیا ہیں۔ مگر ہم نے بھی طے کر لیا کہ یہ سب لکھیں گے۔ نیوٹرون دراصل....

دودھ... دودھ

کیا مصیبت ہے "بھئی دودھ لے لینا" ہم نے بیٹھے بیٹھے بچوں کو پکارا۔ مگر صاحب بچے ایسے کب سنتے ہیں۔ مجبوراً اٹھ کر ڈانٹنا پڑا۔

اس فرض کی ادائیگی کے بعد ہم پھر میز پر آ کر جھک گئے اور اپنے دو گھنٹے کے کام کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ صرف تین لائنیں صحیح لکھی گئی ہیں اگرچہ چار صفحے برباد ہو چکے تھے۔

خیر صاحب لکھنے کا ارادہ کیا مگر ارے پین کہاں گیا ابھی تو یہیں رکھ کر گیا تھا۔ یہاں سے پین کون لے گیا ہے ہم نے پکار کر پوچھا مگر کوئی جواب نہیں۔ اتنے میں سب سے چھوٹے بھائی صاحب دکھائی دیئے لہٰذا ان سے پوچھا

"وقار تم نے لیا ہے میرا پین"

"نہیں"

اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا

"پھر کس نے لیا ہے"

"پتہ نہیں"

یہ دوسرا جواب تھا

اب تو ہمیں بہت غصہ آ رہا تھا کہ اچانک وقار نے ہمارے گلے کی طرف اشارہ کر کے ہم سے پوچھا

"بھائی صاحب یہ کیا ہے"

اوہ بھول کی بھی حد ہوتی ہے قلم تو گلے میں لٹکا رکھا تھا۔ اور ہم نے جھینپ مٹانے کے لئے فوراً کہا اچھا تم جاؤ اور دیکھو شور بالکل نہ مچانا۔ سارے خیالات بکھر گئے تھے مگر ہم تو نیوٹرون کی تعریف لکھ رہے تھے۔ نیوٹرون جوہر کا وزنی حصہ ہوتا ہے جس میں کوئی چارج نہیں ہوتا اور اس کا وزن پی پی ی ی.... نیچے موٹر سائکل کے ہارن اور پھر پے در پے ہمیں اپنے نام کی پکار سنائی دی "ارے کیا سو گئے"

جواد صاحب آ گئے تھے ہم جلدی میں وہی چار صفحات ہاتھ میں لئے جب نیچے پہونچے تو جواد صاحب بغیر سلام دعا کے ہی بولے "یار جلدی سے مضمون مجھے دے دو مجھے رسالہ کے اشتہارات کے لئے جانا ہے۔ ٹائم دیا ہوا ہے۔ مجھے تذبذب میں دیکھ کر پوچھا کیا کچھ نہیں لکھا؟ اور ہم نہیں کیسے کہہ سکتے تھے لہٰذا ہم نے گولی دینے کی کوشش کی لکھ تو لیا ہے مگر ابھی فیر کرنا باقی ہے۔ میں صبح خود ہی تمہیں پہنچا دوں گا۔ مگر جواد صاحب بھی کہاں ماننے والے تھے کہنے لگے فیر میں خود کر لوں گا۔ تم جلدی دو اور ہم نے گھبراہٹ میں وہی چار صفحے انہیں تھما دئے اور انہوں نے یہ دیکھے بغیر کہ اس میں کیا لکھا ہے جیب میں رکھ اور موٹر سائکل اسٹارٹ کر یہ جا وہ جا۔

مرد عورتوں کے نگہبان ہیں

حافظ عزیز الرحمٰن دہلوی

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض و بما انفقوا من اموالہم۔ الخ یہ آیت سورہ نساء کے اندر ہے۔ اس آیت کے بارے میں حافظ ابن جریر وغیرہ نے حضرت حسن وغیرہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت سعد ابن ربیع اور ان کی بیوی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ سعد ابن ربیع کی بیوی نے کچھ نافرمانی کی جس کی بناء پر سعد ابن ربیع نے ان کو تھپڑ مار دیا، تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے باپ کو لے کر حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ ان سے قصاص لے سکتی ہے۔

اس پر فوراً یہ آیت نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کو موقوف کر دیا (روک دیا) الرجال قوامون۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد نگہبان ہیں عورتوں پر۔

جس طرح کہ راعی رعیت کا نگہبان ہوتا ہے لہٰذا وہ عورتوں کی تادیب، و تعلیم کے لئے مناسب کاروائی کر سکتا ہے۔

بما فضل اللہ بعضہم علی بعض۔ اس کا ترجمہ یہ ہے، مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے خلقت کے اعتبار سے مرد کو قوی اور عورت کو ضعیف بنا دیا۔ تو خلقۃً مرد کو فضیلت حاصل ہے عورت پر۔

دوسری فضیلت یہ ہے کہ وہ ذہن، دماغ اور جسم کے اعتبار سے بھی عورت سے قوی تر ہوتا ہے وہ ایسے کارنامے انجام دے سکتا ہے جو عورت کے بس کے نہیں ہوتے۔

و بما انفقوا من اموالہم۔ مرد مہر دیتے ہیں نفقات دیتے ہیں تو معلوم یہ ہوا کہ مرد کو عورت پر وہبی فضیلت بھی حاصل ہے اور کسبی فضیلت بھی حاصل ہے۔

آج کل مردوں اور عورتوں کی مساوات کا بڑا شور مچ رہا ہے کہ عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش چلنا چاہیئے لیکن یہ ایک غیر فطری نعرہ ہے جس کا منشاء محض اندھے جذبات کی تسکین کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس لئے کہ یہ تو صد فیصد معقول بات ہے

کہ دنیا کے اندر بے شمار کام ہیں اور تقسیم کار کے بغیر ان کا انجام دینا مشکل ہے، اگر تمام مرد و عورتیں ایک ہی کام پر مرکوز ہو جائیں تو اس عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے تقسیم کار کے اصول پر عمل کرنا پڑے گا۔

اب ہم جب دیکھتے ہیں اور غور کرتے ہیں تو کاموں کی دو قسمیں نظر آتی ہیں۔ ایک وہ جو گھر سے باہر ہیں مثلاً کسب معاش وغیرہ۔ یہ مشقت کے کام ہیں اور دوسرے بعض کام گھر کے اندر کے ہیں۔ مثلاً بچوں کی تربیت، ان کی تعلیم، گھر کا انتظام۔ یہ کام نسبتاً پہلے کام کے سہل ہیں، اس لئے سخت قسم کے کام اس صنف کو ملنے چاہئیں جن کے قویٰ مضبوط ہیں اور سہل کام اس کو ملنے چاہئیں جس کے قویٰ نسبتاً نازک ہیں۔ یہ ایک فطری تقسیم کار ہے جس کو شریعت نے مقرر کر دیا ہے۔

پھر اس کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ ان دونوں صنفوں میں سے کسی ایک صنف کو دوسرے پر کسی درجہ فوقیت اور برتری حاصل ہو، اس لئے کہ دنیا کا کوئی اجتماعی کام بغیر امیر (سردار) کے انجام نہیں پا سکتا، اگر تمام انسان درجہ کے اعتبار سے بالکل برابر ہوں اور کسی کو کسی سے بازپرس کرنے کا بالکل کوئی حق حاصل نہ ہو، تو دنیا کے تمام کام درہم برہم ہو جائیں گے اس لئے یہ ضروری ہے کہ مرد و عورت میں سے ایک کو دوسرے پر اس طرح کی برتری حاصل ہو کہ وہ اس کی تعلیم و تربیت بھی کر سکے اور اس کی غلطیوں پر بازپرس کر سکے۔

اس کام کے لئے عورت کے بجائے مرد زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ عورت کی طبیعت بہت زیادہ کمزور ہونے کی بنا پر بہت زیادہ منفعل ہے (متاثر ہے) اور اس میں عام طور سے حلم، وسعت ظرف اور شجاعت وغیرہ کی کمی ہوتی ہے حالانکہ امیر کے لئے یہ چیزیں بیحد ضروری ہیں۔ لہٰذا جب عورت امیر بننے کی اہل نہیں تو مرد اس کے لئے متعین ہے لیکن امیر بننے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ایک ڈکٹیٹر بن کر جو دل چاہے کرے، بلکہ وہ اپنے افعال کا اہل خاندان اور اس کے بعد عدالت کو جواب دہ ہے۔

اس پر عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ عورت کا کمزور ہونا فطری نہیں، بلکہ چونکہ ایک طویل مدت تک اُسے ان اہم کاموں سے محروم رکھا گیا ہے۔

اس لئے وہ کمزور معلوم ہونے لگی۔ حالانکہ اگر اُسے اُن کاموں کا عادی بنایا جائے وہ ان تمام کاموں کو بحسن و خوبی انجام دے سکتی ہے جیسا کہ مغربی ممالک میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ عورتوں نے سخت سے سخت کاموں کو نہایت سلیقہ سے انجام دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ بداہت کا انکار ہے مرد کا عورت کے مقابلے میں زیادہ قوی ہونا بالکل بدیہی ہے (کھلی ہوئی بات ہے)

جہاں تک عورتوں کے ہر شعبہ زندگی میں کام کرنے کا تعلق ہے تو وہ صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جس صنعیمت سے صنعیمت جاندار کو کسی کام کا عادی بنایا جائے وہ ان کاموں کو انجام دے سکتا ہے مثلاً بندر طرح طرح کے کرتب دکھلاتے ہیں اور ریچھ ایسے کرتب دکھلاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم میں ہڈی ہی نہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالا نہیں جا سکتا کہ یہ افعال اس کی فطرت ہیں ۔

بلکہ اس کو مجبور کر کے ان کاموں پر لگایا گیا تو وہ عادی ہو گیا ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی اس کی فطرت ہے ۔ اور پھر عورت کے اس طرح باہر نکلنے اور مردوں کے دوش بدوش ہر کام میں حصہ لینے کے جو عبرتناک نتائج سامنے آتے ہیں اس کے بعد تو کوئی معقول انسان تحریک آزادی نسواں کی تائید و طرف داری نہیں کر سکتا ہے ۔

رہا یہ کہنا کہ گھر میں رہنا عورت پر ظلم ہے ، تو نہ جانے اس کی پشت پر کونسی دلیل ہے ۔ اگر مرد کا گھر سے باہر رہنا اس پر ظلم نہیں ہے تو عورت کا گھر میں رہنا اس پر ظلم کیسے ہو سکتا ہے ۔ یہ تو درحقیقت فطری تقسیم کار ہے جس کے خلاف اگر کیا گیا تو یہ دونوں صنفوں پر ظلم ہوگا ۔

عید سعید کے مبارک موقعہ پر

مالکان پاپولر کراکری ہاؤس

آپ کی خدمت میں عید کی دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں ۔

جدید ترین ٹی سیٹ ، ڈنر سیٹ ، کافی سیٹ ، لیمن سیٹ کٹلری سیٹ ، فروٹ سیٹ ، انامل ویر اور ہمہ اقسام کے شیشے اور چینی کے برتن اور جملہ کراکری کا سامان مناسب قیمت پر خریدنے کے لئے ..... ایک نام یاد رکھئے ۔

پاپولر کراکری ہاؤس ‏ ‏ ‏ ‏ جوڑیا بازار کراچی

بچے اور کھیل

فرزانہ منصور

مشہور ماہرِ نفسیات "جرلوک" کا قول ہے کہ انسان کے کردار کی تشکیل اس سنہری دور میں ہی ہو جاتی ہے جبکہ وہ دنیا کی رنجشوں اور دکھڑوں سے بے نیاز اپنی ایک ننھی معصوم دنیا بسائے ہوتا ہے اُس کی محدود سی دنیا چند دوستوں، کھلونوں اور چند کتابوں پر مشتمل ہوتی ہے اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنے آپ کو ان کتابوں اور کھلونوں میں جذب کر دیتا ہے یہی اس کا کھیل ہے۔ یہی اس کی دنیا ہے

اور یہی اس کے لئے کام ہے فرائڈ کے قول کے مطابق:

"بچہ اپنے کھیل میں ممکن تاثرات کا اظہار کرتا ہے جو حقیقی زندگی میں اثر انداز ہوتے ہیں"

بچے کے لئے کھیل ایک ایسا موثر ذریعہ ہے جس کے تحت وہ اپنی شعوری و لاشعوری صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے۔

بچوں کے تشکیل کردار کے سلسلے میں ان کی جسمانی و دماغی صلاحیتوں کو جلا دینے کے لئے کھیل ایک موثر ذریعہ ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کھیل انسانی شخصیت کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

ہر عظیم رہنما اور ہر بدترین سیاہ کار بچے ہی سے بڑا ہوتا ہے . . . . . . بچے ہی بڑے ہو کر قوم کے لئے ایک درخشاں تارا بن جاتے ہیں یا پھر اپنی قوم کے لئے ایک رستا ہوا ناسور۔

چنانچہ ان کے کردار کی تشکیل و تعمیر اس انداز سے ہونی چاہیئے کہ وہ بڑے ہو کر اپنی ملت و قوم کو ایک مستقل حیات بخشیں اور جو حقیقتاً قابلِ ستائش ہو اسی لئے بچوں کی فطرت ان کے ذہنی رجحانات کا صحیح طور پر اندازہ لگانا اور اس کے مطابق تربیت دینا والدین کا اولین فریضہ ہے۔ ایک بچہ اپنے افکار و خیالات خواہشات اور رجحانات کا اظہار اُس وقت کرتا ہے جب وہ کھیل میں مگن ہو۔ وہ کھیل کے میدان میں ہی اپنی حقیقی اہمیت سے آشنا ہوتا ہے اور اُن خوابیدہ صلاحیتوں کو منظرِ عام پر لاتا ہے جو خود اُس کی دیدہ بینا سے اوجھل تھیں اور پھر وہ اپنے وجود کو اپنی خداداد صلاحیتوں کے مطابق ڈھال لیتا ہے مثلاً کھیل کے دوران اُس کا گر

بدولت اُسے بحیثیت ایک لیڈر کے قبول کر لیتا ہے وہ خود بھی اپنے وجود کو اُس روپ میں ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ایسے قائدانہ خیالات کے مالک بچے گروپ میں ہمیشہ اپنے آپ کو ایک سربراہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور وقت کی ہر انگڑائی کے ساتھ ان کے خیالات میں پختگی آتی رہتی ہے کچھ بعید نہیں کہ یہی بچے بڑے ہو کر کسی لیڈر ہی کے روپ میں دنیا کے روبرو آجائیں۔

قائداعظم بانی پاکستان نے ایک بار اپنے دوستوں سے کہا تھا:

"گولیاں مت کھیلو کرکٹ کھیلو تاکہ
کپڑے گندے نہ ہونے پائیں اور دنیا
نے دیکھ لیا کہ وہ نفاست پسند شخصیت
کس طرح اپنے کردار کو بیداغ رکھ کر
قوموں پر حکمرانی کر گئی:"

کھیل کا میدان ہی بچوں کے لئے ایک ایسی گداز گود ہے جس میں پرورش پا کر بچہ اپنے گرد و پیش کی دنیا کا بچشم خود مشاہدہ کرتا ہے۔ یہیں سے دنیا کی اونچ نیچ، مکر و فریب کی سوجھ بوجھ پیدا ہو جاتی ہے یہیں اُسے موقع و محل کی شناخت ہو جاتی ہے۔

کھیل کا میدان ہی بچے کے لئے ایک ایسی درسگاہ ہے جہاں بچہ اتحاد و تعاون، اخوت و بھائی چارہ، جفاکشی و نفس کشی کا سبق سیکھتا ہے۔ یہیں پر وہ حالات سے جد و جہد کرنا سیکھتا ہے۔

ناکامیوں اور نامرادیوں پر کڑھنے اور مضمحل ہونے کے بجائے اِن کا خیر مقدم فراخدلی سے کرنا سیکھتا ہے کھیل کے میدان میں ایک بچہ نہایت خود اعتمادی اور ہمت سے ناکامیوں پر فتح و کامرانی کا ایک دلنشیں غلاف چڑھا دیتا ہے۔

پس وہ سیکھتا ہے کہ شکست و ناکامیوں سے جھکنا ہونا چاہیئے ہر ناکامی اُسے ایک نیا راستہ دکھاتی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر وہ منزلِ مقصود کی جانب گامزن ہو جاتا ہے وہی حقیقتاً فتح و کامرانی کی راہ ہوتی ہے۔

ایک بچہ کھیل کے میدان میں جہاں ہار کے بعد وہ پرجوش جد و جہد کا عزم لے کر اٹھتا ہے وہیں وہ فتح کے حاصل کر لینے کے بعد مخالف پارٹی کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھتا بلکہ فتح اور مزید فتح کے لئے ہر ممکن کوشاں رہتا ہے۔ یہی بالغ النظری مستقبل میں ایک معیاری اور آئیڈیل زندگی بنانے میں مدد دیتی ہے۔

کھیل کا میدان ہی بچوں کے لئے ایک ایسی موثر تربیت گاہ ہے جس میں پرورش پا کر بچہ اپنے اطراف کی دنیا کے اور خود اپنے جذبات و احساسات سے آشنا ہو جاتا ہے۔ وہ موقع و محل کے لحاظ سے خلوص و محبت کے انمول جواہر دوسروں پر بے دریغ صرف کرنا سیکھتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ دوسروں سے بھی اتنے ہی خلوص کا متمنی ہوتا ہے ایک جانب تو وہ اطاعت و فرمانبرداری کا سبق سیکھتا ہے اور دوسری طرف وہ دوسروں سے بھی توقع رکھتا

بقیہ صفحہ ۵۶ پر

CamScanner

اقوام متحدہ

سلطان احمد

دوسری عالمگیر جنگ کے دوران کسی بین الاقوامی ادارے کی ضرورت بہت شدت کے ساتھ محسوس کی گئی، جو کہ بین الاقوامی امن اور اتحاد کو فروغ دے سکے۔ اس کے متعلق مختلف نظریات تھے۔ چند لوگوں کا خیال تھا کہ لیگ آف نیشنز کو مستحکم بنایا جائے اور اس کے ڈھانچہ میں تبدیلیاں کی جائیں۔ آخر کار اپریل ۱۹۴۵ء میں لیگ آف نیشنز کو ختم کر دیا گیا۔ اور ایک اور ادارہ قائم کیا گیا جس کا نام اقوام متحدہ رکھا گیا اس کے فرائض اور اختیارات وہی ہیں جو لیگ آف نیشنز کے تھے۔

اقوام متحدہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو قیام عمل میں آیا۔ اس کے مقاصد

عالمی امن برقرار رکھنا اور آتش اسلحہ سے ممالک کا تحفظ۔ اقوام میں دوستی اور اتحاد بڑھانا۔ سماجی، معاشی، اخلاقی مسائل کو عالمی معیار پر بغیر کسی رنگ ملک اور زبان کی تمیز کے حل کرنا۔

اقوام متحدہ کے اصول مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ تمام ممبر ممالک برابر ہیں
۲۔ تمام ممالک کو اپنے فرائض پورے کرنے ضروری ہیں جو کہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں بیان کئے گئے ہیں۔

تمام جھگڑے صلح پسندی سے حل کریں اور یہ کہ کسی دوسرے ملک کی آزادی پر اثر انداز نہ ہوں۔

تمام ممبر ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی مدد کریں جیسا کہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں بیان کیا گیا ہے۔

اقوام متحدہ ممالک کے اندرونی معاملات میں دخل انداز نہ ہوگی۔

اس وقت اقوام متحدہ کے ۱۲۱ ممبر ہیں۔

اقوام متحدہ ایک میٹنگ کی جگہ ہے جہاں پر ممبر ممالک کے نمائندے ملتے ہیں۔ خواہ ان کے ملک چھوٹے ہوں یا بڑے۔ امیر ہوں یا غریب کمزور ہوں یا طاقتور۔ اور بین الاقوامی معاشی سیاسی اور سماجی مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

تمام امن پسند ممالک کے لئے اقوام متحدہ

CamScanner

کی ممبر شپ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اقوام متحدہ کی سرکاری زبانیں چینی، انگریزی، فرنچ، روسی اور ہسپانوی ہیں۔ عام استعمال کی زبانیں انگریزی اور فرنچ ہیں۔

اقوام متحدہ چھ اداروں پر مشتمل ہے۔

۱۔ جنرل اسمبلی۔
۲۔ سلامتی کونسل۔
۳۔ معاشی و سماجی کونسل۔
۴۔ تولیتی کونسل۔
۵۔ بین الاقوامی عدالت۔
۶۔ سیکرٹریٹ۔

۱۔ جنرل اسمبلی

اقوام متحدہ کا سب سے اہم ادارہ جنرل اسمبلی ہے۔ اس کا اجلاس سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے اس کو اختیار حاصل ہے کہ تمام اداروں کے اختیارات اور کاموں کو کنٹرول کرے۔ اور ممبر ممالک کو بھی بوقت ضرورت معاشی، سیاسی اور سماجی میدان میں مشورہ دے سکتی ہے۔

تمام ممالک جنرل اسمبلی میں نمائندے بھیجتے ہیں اور ہر ملک کو ایک ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔

ایک ملک ایک وقت میں صرف ۵ نمائندے بھیج سکتا ہے۔ عام معاملات میں جنرل اسمبلی کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ووٹنگ کراتی ہے اور ضروری معاملات میں دو تہائی ووٹ ضروری ہوتے ہیں۔

جنرل اسمبلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

اقوام متحدہ کے تمام ادارے حتیٰ کہ سلامتی کونسل تک جنرل اسمبلی کو اپنی سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ اسمبلی سلامتی کونسل کے چھ غیر مستقل ممبران کا اور سماجی و معاشی کونسل اور تولیتی کونسل کے ممبران کا انتخاب کرتی ہے۔

جنرل اسمبلی بین الاقوامی عدالت کے ججوں کا تقرر بھی کرتی ہے۔ سلامتی کونسل کی سفارش پر جنرل اسمبلی نئے ممبروں کو اقوام متحدہ کا ممبر بناتی ہے اور سکریٹری جنرل کا تقرر کرتی ہے۔

جنرل اسمبلی اقوام متحدہ کے تمام حسابات کنٹرول کرتی ہے۔ اور اقوام متحدہ کا بجٹ منظور کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کے تمام اخراجات ممبر ممالک کے چندوں سے پورے ہوتے ہیں۔ ممبر ممالک اکثر اقوام متحدہ کو عطیہ کے طور پر بھی کچھ رقم دیتے ہیں۔

۲۔ سلامتی کونسل۔

اس کے گیارہ ممبر ہوتے ہیں۔ جس میں سے ۵ مستقل ہوتے ہیں اور باقی چھ جنرل اسمبلی سے منتخب ہوتے ہیں۔ اس کونسل کی ذمہ داری یہ ہے کہ دنیا میں امن قائم رکھے اور ہر ملک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کونسل کا فیصلہ قبول کرے

سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ممبر ہیں۔ نیشنلسٹ چین، روس، فرانس، امریکہ اور برطانیہ۔ مستقل ممبروں کو حق تنسیخ (VETO POWER) حاصل ہے۔ یعنی اگر کسی مسئلہ کے خلاف جو سلامتی کونسل میں زیر بحث ہو اور ان پانچ مستقل ممبروں میں سے کوئی ایک ممبر بھی ویٹو VETO استعمال کرے تو پھر اس مسئلہ پر بحث نہیں

ہو سکتی یعنی سلامتی کونسل کے مستقل اراکین جب تک کسی مسئلہ پر متفق نہ ہو جائیں اس وقت تک اس مسئلہ کو حل نہیں کیا جا سکتا۔

سلامتی کونسل کو اختیار ہے کہ وہ کسی معاملے میں تحقیق کرے جس میں دو یا دو سے زیادہ ممالک درمیان میں آئیں اور یہ معاملہ کونسل کے سامنے یا تو سکریٹری جنرل یا ۱۲ ممالک لا سکتے ہیں سلامتی کونسل کو اختیار ہے کسی جھگڑے میں اپنا مشورہ دے اور اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے فیصلے کو منوانے کے لئے سختی برتے یعنی وہ ممالک جو اس کا فیصلہ نہ مانیں ان کے خلاف قدم اٹھائے۔

۳۔ سماجی و معاشی کونسل۔

یہ کونسل جنرل اسمبلی کے ماتحت کام کرتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں معاشی اور سماجی خوشحالی ہو۔ یہ سماجی معاشی معاملات میں جنرل اسمبلی کو تجاویز پیش کرتی ہے اور بین الاقوامی میٹنگ بلاتی ہے۔

اس کونسل کے ۱۸ ممبر ہوتے ہیں جن میں سے چھ ہر سال منتخب ہوتے ہیں اور ان کی میعاد تین سال ہوتی ہے۔ یہ کونسل حسب ضرورت کمیٹیاں مقرر کرتی ہے جو اپنی سفارشات پیش کرتی ہیں۔

چار علاقائی معاشی کمیشن ہیں:۔

۱۔ یورپ کے لئے۔
۲۔ ایشیا کے لئے۔
۳۔ مشرق بعید کے لئے۔
۴۔ لاطینی امریکہ اور افریقہ کے لئے۔

۴۔ تولیتی کونسل۔

یہ کونسل ان علاقوں اور مقبوضات کے انتظام کی ذمہ دار ہے جن پر اقوام متحدہ کی نگرانی میں حکومت کی جاتی ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جن پر دوسری جنگ عظیم سے قبل بڑی طاقتوں کا قبضہ تھا۔

جنگ کے بعد بڑی طاقتیں بہت کمزور ہو گئیں اور ان کے لئے چھوٹے ممالک پر تسلط قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے ان علاقوں کو اقوام متحدہ کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ تولیتی مجلس کے ممبران ان علاقوں کے لوگوں کے حالات معلوم کر کے ان ممالک کی سالانہ رپورٹوں کی تحقیق کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ اس وقت تک ان علاقوں کو کنٹرول کرتی ہے جب تک کہ ان علاقوں کے لوگ خود مختار حکومت بنانے کے قابل نہ ہو جائیں۔ اقوام متحدہ نے غیر خود مختار علاقوں کے انتظام میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔

(۵) بین الاقوامی عدالت۔

بین الاقوامی عدالت کا ہیڈ کوارٹر ہیگ میں ہے اس میں ۱۵ جج ہوتے ہیں جو کہ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی سے منتخب ہوتے ہیں۔

ہر ممبر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس عدالت کے فیصلے پر عمل کرے۔ عدالت کے سامنے جو مقدمات آتے ہیں وہ ان کا فیصلہ کرتی ہے۔

بین الاقوامی مقدمات کے فیصلے کے علاوہ بین الاقوامی عدالت جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کو قانونی معاملات میں مشورہ دیتی ہے۔ ججوں کی

میعاد ۹ سال ہوتی ہے۔ ایک ہی ملک کے دو جج نہیں ہو سکتے۔

(٦۔) سیکریٹریٹ۔

اقوام متحدہ کا انتظام سیکریٹریٹ سنبھالتی ہے یہ ادارہ تمام شعبوں کو کنٹرول کرتا ہے اور ان کی پالیسیوں پر عمل درآمد کراتا ہے۔ اس کا صدر سیکریٹری جنرل ہوتا ہے جس کو جنرل اسمبلی سلامتی کونسل کی سفارش پر منتخب کرتی ہے۔ سیکریٹری جنرل ۵ سال کے لئے منتخب ہوتا ہے۔

فروری ۱۹۴۶ء میں مسٹر ٹریگولی (ناروے) سیکریٹری جنرل بنے ان کی میعاد تین سال اور بڑھا دی گئی۔ ۱۹۵۲ء میں انہوں نے استعفےٰ دے دیا۔ ۱۵ اپریل ۱۹۵۳ء کو ڈیگ ہیمرشولڈ (سویڈن) ان کی جگہ سیکریٹری جنرل بنے۔ آپ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۱ء کو ہوائی حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد او تھانٹ (برما) سیکریٹری جنرل بنے جو کہ اب تک اپنے عہدہ پر فائز ہیں۔

اقوام متحدہ پر لوگ بہت تنقید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ادارہ اپنے مقصد میں ناکام رہا ورنہ دنیا میں اتنا خون خرابہ نہ ہوتا۔ لیکن تنقید کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر یہ ادارہ نہ ہوتا تو دنیا میں اس سے زیادہ فساد ہوتا۔ اس کا ہونا امن عالم کے لئے بے حد ضروری ہے۔

بقیہ صفحہ ۵۲ کا

ہے کہ اس کی عزت کی جائے۔ یہیں وہ باہمی تعلقات کو استوار کرنے کے طریقے سیکھتا ہے اس طرح وہ اپنے ماحول کو سمجھنے لگتا ہے اور اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے چنانچہ بقول بیلٹی کے یہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انسان کے کردار کی عظیم الشان عمارت زندگی کے اس دور میں تعمیر ہو جاتی ہے جبکہ بچہ دنیا کے نشیب و فراز سے ناآشنا ہوتا ہے اور صحیح معنوں میں اس کا انحصار کھیل پر ہوتا ہے بچہ کی شخصیت ایک ایسی مسِ خاک ہوتی ہے جو کھیل کے میدان میں تپتی ہے اور پھر گردشِ زمانہ اس مسِ خاک کو کندن بنا دیتا ہے اور اس طرح زندگی پھولوں کی سیج بن جاتی ہے۔

آرائشِ خانہ

مسز نورالصباح حنیف

زمانے کی ترقی کے ساتھ گھر کی آرائش میں بھی تبدیلیاں آتی گئی ہیں۔ ہر زمانے میں خواتین اس میں دلچسپی لیتی رہی ہیں اور حقیقت میں عورت کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا گھر صاف ستھرا اور سجا بنا رہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا گھر کی آرائش کے لئے دولت ضروری ہے کہ ذہنی و جسمانی صلاحتیں اور شوق؟

میرا اپنا خیال ہے کہ اس میں دولت سے زیادہ ذاتی صلاحتیں اور شوق کی ضرورت ہے آپ ہزار ہزار روپے کے صوفے ڈرائنگ روم میں ڈال لیں مگر صفائی ......! وہ تو جمعدارنی کر ہی جاتی ہے ......! ایک بہت خوبصورت ڈنر سیٹ تو ہے مگر جب مہمان آئے تو ان کے سامنے خاک لگی پلیٹیں رکھ دیں گئیں اور پھر کسی مہمان نے کپڑے سے صاف کرلی تو نوکروں کا رونا شروع ہو گیا کہ کمبخت سنتے ہی نہیں ہزار دفعہ کہا کہ برتن صاف رکھا کرو۔ اے بہن! اگر تمہاری نظر میں کوئی اچھا نوکر ہو تو ہم کو دلوا دو وغیرہ وغیرہ ......! مغرب کی نقل کرنے والوں کو ہم بہت لعن طعن کرتے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ اگر ہماری قوم صفائی ستھرائی میں مغرب کی نقل کرنے لگے تو کیا ہی اچھا ہو۔ صفائی تو ہمارا مذہبی فریضہ بھی ہے مگر افسوس ہماری اس اچھی تعلیم کا استفادہ ہم مسلمانوں سے زیادہ مغرب کے رہنے والوں نے لیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ گھر کی سجاوٹ میں کن کن باتوں کو زیر غور رکھنا چاہیے۔ میرے خیال میں سب سے پہلے سجاوٹ میں اپنی حیثیت کو ضرور ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔ نہ تو ہم اتنی مہنگی چیزیں خریدیں کہ ہم کو دوسری جائز خواہشات کو قربان کرنا پڑے اور نہ اس حد تک کہ ہمارا بنک بیلنس تو بڑھتا جا رہا ہے مگر گھر ہمارے معیار کی صحیح عکاسی نہیں کر رہا اور لوگ کنجوس ہونے کا طعنہ دیتے رہیں۔

اور دوسری بات سجاوٹ میں انفرادیت اور تنوع ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ جدید فیشن کے ڈیکوریشن پیس ہی ضروری ہیں بلکہ بہت چھوٹی اور معمولی چیزیں بھی خوبصورت معلوم ہو سکتی ہیں جو میرے مشاہدے میں آئی ہیں۔ مثلاً گلدانوں کے لئے بازار سے مہنگے گلدستے خریدنے ہی کی کیا ضروری ہیں بلکہ گیہوں کی بالیاں مختلف رنگوں میں رنگ کر لگا سکتے ہیں۔ دیواروں پر عمدہ بینر بیلوں کے بجائے MONY PLANT

(پودے کا نام) کو خوبصورت انداز میں سجا سکتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ ایک مہنگا سا لیمپ ہی خریدا جائے بلکہ لکڑی کی دکان سے گول اور لمبی سی لکڑی خرید کر اس کو نیچے سے برابر کر لیں اس کے اندر آڑے ترچھے چھید ہوتے ہیں اس میں تار اس انداز سے ڈالیں کہ وہ اوپر چلا جائے اور اس کے اوپر پلگ بلب اور شیڈ لگالیں دوسرے چھیدوں میں ناٹلون کے بازاری پھول لگالیں لیجئے ایک خوبصورت لیمپ تیار ہو گیا۔ اسی طرح بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ کم قیمت میں ہر آنے والے کو ہماری ذہانت کا قائل کر دیں گی۔

تیسری بات یہ کہ ہم سجاوٹ میں اس حد تک تہ جائیں کہ آنے والے یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہم الفنسٹن اسٹریٹ کی ڈیکوریشن کی دکان پر یا PAKISTAN HANDICRAFT میں پہونچ گئے ہیں اور یہ کبھی نہ ہو کہ مہمانوں کو ہمارے ڈرائنگ روم میں دو صوفے رکھے منہ چڑا رہے ہوں..... ارے ہم ان پر اپنی دستکاریوں کے کشن یا کور تو ڈال دیں دیکھئے کمرے کی شان ہی بدل گئی۔

چوتھی بات یہ کہ سجاوٹ میں تسلسل ہو یا نہ ہو کہ عید یا فنکشن یا پارٹی پر سارے گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے اور روزمرہ میں بس اللہ ہی حافظ ہے۔ اگر کوئی مہمان آئے تو گھر کی سجاوٹ میں اتنا فرق دیکھ کر ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرے گا۔

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ کشادہ جگہ میں تو ہر قسم کی آرائش کی گنجائش ہوتی ہے لیکن مختصر جگہ میں آرائش کے ذرائع بہت محدود ہوتے ہیں اس میں بھی کچھ باتیں میرے مشاہدے میں آئی ہیں۔ ضرور پیش کروں گی۔

مثلاً ہمارے پاس ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جو تو ہم بیڈ روم بنا سکتے ہیں نہ ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم تو سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ ہم اس کو STUDY بنا دیں اس میں دو کرسیاں ڈال دیں ایک چھوٹا سا پرانا دری قالین آتا ہے وہ ڈال کر اس پر ایک زمین پر بیٹھ کر لکھنے والا ڈیسک اور دیواروں پر سجانے کے دیوار گیر لو گے جو پرانے زمانے میں ہوتی تھیں تھریاں آرٹ کی طرز پر STYLISH سے شیلف بنوا کر لگا دیں اور اس میں کتابیں سجا دیں اس طرح ہمارے پاس ایک اچھی پڑھنے والی جگہ کے ساتھ ساتھ دوسرا کمرہ تیار ہو جائے گا۔ کیونکہ اکثر ہمارے پاس پردہ دار خواتین آتی رہتی ہیں۔ ان کو یا تو ہم سونے کے کمرے میں بٹھائیں یا ان خواتین کو مردوں کے ساتھ بٹھائیں جو کہ ہمارے معاشرہ میں غیر مناسب ہے۔

اسی طرح بچوں کی پرورش اور رہائش کا مسئلہ ہے بچے فطرتاً شرارتی ہوتے ہیں۔ چیزوں کی اکھیڑ پچھاڑ کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے کوشش کرنے سے کہیں نہ کہیں مکان میں کوئی ایسی جگہ بنالیں جو صرف ہمارے بچے یا بچوں کے لئے مخصوص ہو بچے کی اس نرسری میں بچے کا کوٹ اور کھیلنے کودنے کی دوسری چیزیں ایک جگہ رہیں گی اس طرح ہمارے دوسرے کمرے صاف رہیں گے اور بچے میں بھی خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوگا اگر مکان بہت کشادہ نہیں اور بچے زیادہ ہیں تو بچوں کا بستر دو منزلہ یا سہ منزلہ بنوا سکتے ہیں۔

سب سے اوپر والا بستر کو بڑے بچے کے لئے مخصوص کر دیں وہ آسانی سے چڑھ سکے گا۔ اسی طرح چھوٹے بچے کا

رحمت اللعالمین

نور الٰہی

آج سے تقریباً چودہ سو سال پیشتر عرب میں ایک تاریک صبح کو نور کا شعلہ بھڑکا۔ جس کی روشنی سے نہ صرف عرب بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔ یہ پُرنور ہستی حضورِ اکرم محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ جن کو فخرِ عالم۔ فخرِ موجودات۔ امین۔ اور رحمت اللعالمین جیسے باوقار القابات سے نوازا گیا۔ اسی ہستی کی یاد عالم اسلام میں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو منائی جاتی ہے۔

وقت ایک لامتناہی سمندر ہے۔ جس کی حدود کے تعین سے ذہن انسانی قاصر ہے۔ ماضی۔ حال۔ اور مستقبل ہر وقت محیط ہے۔ وہ ذات کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے اس ہستی کا نام درخشاں تھا۔ ہے۔ اور قیامت تک رہے گا۔ تغیراتِ زمانہ اس ذاتِ گرامی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

یہاں گفتگو نورِ اول کی ہے۔ اس عظیم ہستی کی ہے جس کی فکرِ نارسا۔ عمل۔ اور درس نے تمام دنیا کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ جس کے تخیل نے حقائق کو بے حجاب کر دیا جو شمع بن کر عرب کی تاریک وادیوں سے چمکا اور جہالت کے گھمبیر اندھیروں کو دور کر دیا۔ عرب کی اس قوم کو جو گمراہی کے تاریک غاروں میں پڑی ہوئی تھی۔ اس عظیم ہستی نے اپنی تعلیم و تربیت۔ عمل اور کردار سے انسانیت کے بلند ترین مقام تک پہنچا دیا۔ آج بھی عرب کے ریگزاروں میں اس کی صدا بازگشت کر رہی ہے۔ اور دنیا کے لئے صلاح و آشتی کا پیغام دُھراتی نظر آتی ہے۔

حیف ہے اُن پست ذہنوں پر جو انسانیت کے محسن کو تاریخ کا ایک کردار بناتے ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں چونکہ اس زمانے میں عرب کی حالت بہت پست تھی اس لئے اس پستی کو دور کرنے کے لئے ایک مصلح کی ضرورت تھی۔ مگر افسوس کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ محمدؐ تو تاریخ کے خالق ہیں۔ انھوں نے ایک نئی تاریخ کو جنم دیا۔ تو وہ کیسے تاریخ کے کردار ہو سکتے ہیں۔

محمدؐ مسلم نے اپنے رب سے کہا کہ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر یہ کم علمی کا خدا کے سامنے اعتراف ہے۔ جب ہم آپ کی شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ مجسم علم نظر آتے ہیں۔ آپ کو علم کسی انسان نے نہیں بلکہ خالق دنیا نے دیا۔ دنیا کی اس عظیم ہستی کی شان کا مسلم ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اعتراف کرتے ہیں۔

پنڈت گوپال کرشن بی۔ اے۔ ایڈیٹر [illegible]

بیبیؔ اپنے ایک اداریے میں لکھتا ہے کہ محمدؐ کی زندگی، تعلیم اور عمل نے عرب کے ظالم، اور سفاک چرواہوں کو انسانِ کامل بنا دیا۔ اور ان کے اندر رحم وکرم، حلم وتواضع کا جذبہ پیدا کر دیا۔ ان میں جذبۂ محبت پیدا کیا وہ ایسے رحم دل ہوگئے کہ دنیا کو اپنی گم شدہ سلامتی اور امن دوبارہ مل گیا۔ اور وہ خود بھی ان کے محافظ بن گئے۔

نپولین بونا پارٹ رقم طراز ہے کہ محمدؐ کی ذات مجسمۂ علم ہے۔ جس کی طرف لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ جیسے ایک مرکزِ ثقل کی جانب۔ ان کی تعلیمات نے لوگوں کو مطیع وگردیدہ بنالیا۔ انھوں نے ایک ایسا گروہ بنایا جس نے چند ہی سال میں دنیا کے جھوٹے معبودوں سے ان کو چھڑا لیا۔

آیئے ذرا مذہبی نقطۂ نظر سے ہٹ کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ سوچیں۔ جس وقت انسان بھٹک رہا تھا اس وقت سے لیکر آپ کی تعلیم تک کا جائزہ لیں۔ جب انسان جہالت کے اندھیرے غاروں میں پڑا ہوا تھا تو خدائے بزرگ وبرتر نے اس کو راہِ راست پر لانے کے لئے سوچا کہ شاید یہ طاقت کے ذریعے سنبھل جائے اور اس کی رہنمائی کے لئے حضرت داؤد کو بھیجا مگر یہ قوم پھر بھی خدا کو نہ پہچان سکی۔ اب معجزات کے ذریعے اس کی اصلاح کرانی چاہی اور حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل میں بھیجا مگر حضرتِ انسان صرف اس وقت تک آپکی تعلیم پر عمل پیرا رہے جب تک آپ ان کے درمیان رہے آپ کے بعد یہ قوم پھر پتھروں کے صنم بناکر ان کی پرستش کرنے لگی۔ اس کے بعد خدا نے رحم کے ذریعے انسان کو راہِ راست دکھانی چاہی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سراپا رحم ومعصوم بناکر بھیجا (یوں تو ہر نبی معصوم ہوتا ہے) بغیر باپ کے اس بچے نے بڑے ہوکر خدا کی وحدانیت اور اس کی تعلیم دی۔ مگر پھر بھی یہ قوم نہ سنبھل سکی۔ اب دنیا کو ایک ایسی کامل ہستی کی ضرورت تھی جو اپنے گفتار اور عمل سے اس قوم کی تقدیر بدل سکے۔ خدا نے اس قوم پر ایک اور احسان کیا اور حضور اکرم کو پیدا کیا آپ میں وہ تمام خوبیاں یکجا کردیں جو پچھلے تمام پیغمبروں میں تھیں۔ یتیم وبسیر کرکے قابلِ رحم بنایا۔ عرب کے ممتاز قبیلے میں پیدا کرنے وجہ سے باعزت اور آپ کو طاقت اور عمل کی قوت سے نوازا۔ اس طرح اس قوم کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو رب العزت نے کنارے لگایا۔

عزیزانِ قوم۔ زندگی صرف سانس لینے۔ کھانے پینے ہی کا نام نہیں۔ اور حیات کا مقصد صرف یہ ہی نہیں ہے کہ کوئی ذی نفس دیکھتا اور سنتا ہو، کھاتا اور پیتا ہو یہ حیات۔ تو جسمانی حیات ہے اور جسمانی حیات تو چند روزہ ہے: اور اس کا اختتام موت پر ہے۔ آنے والی نسلوں کی جسمانی حیات بے مصرف اور بے کار ہے۔ اس کے برخلاف دوسری اور اصلی حیات عقلی ہے۔ جس کا اثر نسل در نسل رہتا ہے۔ ان لوگوں نے جن کی نظر حیاتِ جسمانی پر تھی محمدؐ کو نعوذ باللہ یہ ہی سمجھا کہ وہ رسولِ رحمت ہم سے جدا ہوگئے مگر رسول کی حیاتِ عقلی کا پہلو کس طرح نظر انداز ہوسکتا ہے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کا اثر نسل در نسل جاری وساری ہے اور حشر تک رہے گا۔

سقراط کی حیاتِ عقلی سے اور ابن عربی کی حیات سے درسِ فلسفہ لینے والے ذرا ہمارے پیارے رسولؐ کی جانب دیکھیں ان کو یہاں ذہنی فلسفہ، خواب وخیال کی

گفتگو کی آوارگی نہیں ملے گی بلکہ یہاں زندگی کی حقیقتوں کا عکس ملے گا۔ عقل کی گفتگو ہوگی اور خالقِ کائنات کی قسم! زندگی کی حقیقت ہی عظیم ہے اور محمد حقیقتوں کا ضامن ہے۔ بے شک وہ ایک عظیم ہستی ہے۔ جس نے اخلاق کو اولیت کی منزل پر پہنچا دیا جس نے غربت اور امارت کے فرق کو مٹا دیا۔ جس نے عورتوں کو ان کے جائز حقوق دلائے۔ وہ شخصیت جس نے دشمنی و نفرت کو دلوں سے یکسر مٹا دیا۔ یقیناً دشمنی اور نفرت ہی خدا کا عذاب ہے جو سرکش اور ضدی قوتوں پر نازل ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ رسولِ عربی رحمت اللعالمین کہلاتے ہیں اور یہ ہی رسولِ عربی رحمت اللعالمین دنیا کی سب سے عظیم ہستی ہے۔ اس عظیم ہستی پر لاکھوں درود لاکھوں سلام۔

محی الدین

ہماری عید

یہ عید ہے روزہ داروں کی
محبوب خدا کے پیاروں کی
جن کی طاعت مشکور ہوئی
پروان چڑھی منظور ہوئی
سجدوں نے جبینیں چمکائیں
جنت کی مرادیں بر آئیں
یہ بخشش کی امیدیں
یاروں کے لئے ہر عید کا دن

روشن اختر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کیا آپ کو یاد ہے کہ

زاہد حسین اعجازی

یوم ولادت	پیر ۱۲ ربیع الاول	مطابق	۲۳ اپریل ۵۷۱ء
نبوت	پیر ۱۷ رمضان المبارک	〃	۶ اگست ۶۱۰ء
ہجرت	پیر ۸ ربیع الاول	〃	۲۰ ستمبر ۶۲۲ء
جنگ بدر	منگل ۱۷ رمضان ۲ھ	〃	۱۳ مارچ ۶۲۴ء
فتح مکہ	اتوار ۱۰ رمضان ۸ھ	〃	یکم جنوری ۶۳۰ء
حج الوداع	جمعہ ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ	〃	۸ مارچ ۶۳۲ء
وصال	پیر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ	〃	۸ جون ۶۳۲ء

ہمارے معاشرے میں پردے کی اہمیت

شکیل احمد ارتقائی

پردے کے معنی یا مطلب لغت میں اوٹ آڑ اور چھپانا ہے۔ جو عربی زبان کے لفظ حجاب کا ترجمہ ہے یعنی پردہ نسوانیت کا وہ جوہر ہے ۔ جو مشرقی شرم وحیا کا ضامن ہے۔

احکامِ حجاب قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہیں ۔جن میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہیں۔ اپنے حسن و زیبائش کی نمائش نہ کریں۔

جس طرح کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں کرتی تھیں۔ گھروں سے باہر نکلنا ہو تو چادر اوڑھ کر نکلیں۔ گھروں میں بھی محرم اور نامحرم مردوں کے درمیان فرق روا رکھیں۔

محرم مردوں اور عورتوں کے علاوہ دوسرے کے سامنے زیبائش و آرائش کر کے نہ آئیں اور محرم مردوں کے سامنے بھی اپنے گریبانوں کو آنچل میں ڈھانک لیا کریں۔

صرف یہ ہی نہیں مردوں کو بھی اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ بہنوں کے پاس بھی آئیں . . . تو اجازت لے کر آئیں تاکہ اچانک اُن کی نگاہ ایسی حالت میں اُن پر نہ پڑے جبکہ وہ جسم کا کوئی حصہ کھولے ہوتے ہوں۔

یہ وہ احکامات ہیں جو کہ قرآن پاک میں واضح الفاظ میں موجود ہیں اور انہی سب چیزوں کا نام پردہ ہے۔

شاید مغرب کے دلدادہ لوگوں کو یہ حقیقتیں تلخ و شاق گذریں اور وہ اس کو فرسودہ روایات پر محمول کریں لیکن اگر ہم اُن احکامات پر غور کریں تو اس کے تین مقاصد ہم پر ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۔ عورت اور مرد کا دائرۂ عمل علیحدہ علیحدہ ہے۔ یہ فطری تقاضا ہے۔ فطرت نے عورت کو ماں بننے کا اہل بنا کر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ عورت کا اصل مقام کیا ہے اور باپ بیٹے کے فرض مرد پر عائد کر کے یہ بتایا ہے کہ اسے کن افعال سے لئے فریضہ مادری کے بارگراں سے سبکدوش کیا گیا ہے۔

دونوں قسم کے فرائض کے لئے عورت اور مرد کو جداگانہ جسمانی ہئیت کا حامل بنایا ہے۔ یعنی الگ الگ قوتیں عطا کئے۔ جداگانہ صفات بخشیں فطرت نے بچے کو جننے کے لئے چنا اسے صبر و تحمل عطا کیا۔ اس کے مزاج میں نرمی پیدا کی۔ اس کو ماتا جیسی بےبہا دولت سے نوازا۔

بچوں کی غور و پرداخت کا مشکل ترین فریضہ عورت کو سونپا۔ اس حقیقت سے کوئی بھی منکر نہیں ہو سکتا کہ دنیا کی تمام علمی اور تمدنی ذمہ داریوں میں سے کوئی بھی اس قدر دشوار نہیں جس قدر بچوں کی صحیح تربیت ہے۔ انسان کی تمام علمی اور اخلاقی صفات کا دارومدار صرف اس کی تربیت پر ہے جو کہ وہ عالم طفولیت میں ماں کی توجہ سے حاصل کرتا ہے۔ اور انسان کی تمام تر علمی معراج اور اخلاقی کمال کا حقیقی سرچشمہ ہی وہ زمانہ ہے جو بچہ آغوش مادر میں بسر کرتا ہے۔

محنت اور توجہ کے لحاظ سے تربیت ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جس میں صبر و تحمل ناگزیر ہوتا ہے۔ پیدائش سے سن بلوغ تک بچے کی نگہداشت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

۲۔ پردے کا دوسرا مقصد گھر اور خاندان کے نظام کو محفوظ اور مضبوط کرنا ہے۔ جس کی اہمیت زندگی کے دیگر نظاموں سے کچھ کم نہیں۔

پردہ کے بغیر جن لوگوں نے گھر اور خاندان کے نظام کو محفوظ کیا ہے۔ انہوں نے عورت کو غلام بنا کر اسے تمام نسوانی حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ ان کے گھر کا نظام بکھر گیا ہے۔ اور جہاں پردہ بکھرتا جا رہا ہے۔

اسلام عورت کو اس کے کامل حقوق بھی دیتا ہے اور ساتھ ساتھ گھر اور خاندان کے نظام کی شیرازہ بندی بھی کرنا چاہتا ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک پردہ کے احکامات اس کی حفاظت کے لئے موجود نہ ہوں۔

۳۔ پردے کا تیسرا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ عورت اور مرد کے اخلاق کی حفاظت کی جائے اور ان خرابیوں کا دروازہ بند کیا جائے جو مخلوط ماحول میں عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول سے ظہور میں آتی ہیں۔

مخلوط سوسائٹی میں جہاں عورتیں بن سنور کر آزادانہ پھریں اور زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے دوش بدوش کام کریں وہاں اخلاق بگڑنے سے کیسے بچ سکتے ہیں

بلاشبہ مغرب نے عورتوں کو آزادی دی اور
آج بظاہر وہ قومیں ترقی پر بھی نظر آتی ہیں۔
لیکن اگر بنظر غائر مغربی معاشرہ کو دیکھا جائے
تو اس کے نقائص عیاں ہو جاتے ہیں۔ وہ
اخلاقی طور سے مکمل کھوکھلا ہو چکا ہے
وہ اس قدر بھیانک اور مکروہ ہو چکا
ہے۔ جہاں پر جس کی تصویر سے ہی انسان
پشیمان ہو جاتا ہے۔

یہ آزادی ان کے لئے لعنت بن چکی
ہے۔ جس سے وہ گلو خلاصی حاصل کرنا چاہتے
ہیں۔ ان کی تہذیب میں عورت اور مرد
کے باہمی تعلقات ایک حل طلب مسئلہ
کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور یورپ
کے بیشتر ممالک اس کے ازالہ کے لئے
مختلف تجاویز پر تجربات میں مصروف
عمل ہیں۔

ہمارے ملک میں جوں جوں مخلوط سوسائٹی کا
دائرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ جنسی جرائم کی تعداد بھی
روز افزوں ترقی جا رہی ہے۔ جس کے لئے
اخبارات کے حاشئے گواہ ہیں۔

یہاں صرف اخلاق ہی کا سوال نہیں بلکہ
ہماری پوری تہذیب۔ اور اسلامی اقدار کی بقا
کا سوال ہے۔

عورتوں کے لباس آرائش و زیبائش کے
لئے جائز آمدنیاں ناکافی ثابت ہو رہی ہیں۔ جس
کے ناجائز ذرائع آمدنی رشوت ستانی اور دیگر
قبیح ذرائع بڑھتے جا رہے ہیں اور یہاں تک کہ
مرد کی ایما پر ہی انسانیت ذبح ہو رہی ہے۔

آزادی نسواں کے حامی بہت سے دلائل
پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پردہ
اس باب میں شدت سے حارج ہے کہ مرد اپنی پسند
کے مطابق اپنی شریک زندگی کا صحیح انتخاب کر سکے
اور اس کے عادات اطوار سے شادی سے قبل
آگاہ ہو سکے اور اس بات کا اطمینان حاصل کر سکے کہ
آیا وہ عورت سے شادی کے بعد پر سکون زندگی بسر
کر سکتا ہے اور وہ پردہ کو کثرت طلاق کا باعث قرار دیتے
ہیں اگر غیر جانبدارانہ نظر سے ان دلائل پر غور کیا
جائے تو یہ کچھ ٹھوس اور پُر وزن نظر آتے
ہیں۔

مشاہدات ان کے دلائل کو یکسر رد کر دیتے
ہیں اور اس چیز کے شاہد ہیں کہ پردہ نشین
خواتین کی زندگی نہایت پرسکون بسر ہوتی ہے
یورپ میں جو مخلوط سوسائٹی کا مخزن
ہے اور جہاں پر شادی بیاہ زن و شوہر کے
باہمی میل جول سے ہوتے ہیں۔ وہاں پر طلاقوں
کی تعداد ہمارے اپنے معاشرے اور اپنے
ملک سے زیادہ ہے۔

اس لئے یہ کہنا کہ اگر پردہ نہ ہو تو طلاق
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سراسر غلط ہے۔
اور اپنے آپ کو فریب دینے کے مترادف

بقیہ صفحہ ٧٠ پر

CamScanner

تعلیمی جائزہ

جواد حسین اعجازی

میں نشری سیکریٹری کی حیثیت سے اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں کہ برادری کی سال ۶۶-۱۹۶۵ء) کی تعلیمی سرگرمیوں کا خاکہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

درج ذیل افرادِ قوم نے امتحانات منعقدہ ۱۹۶۶ء میں شرکت فرمائی ہم نے حتی الامکان پوری کوشش کی ہے کہ تمام طلبار کے نام اس فہرست میں شامل ہوجائیں مگر یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ فہرست مکمل ہے۔ اس لئے عرض ہے کہ جن طلبار و طالبات کے نام شامل فہرست نہیں ہو سکے ہیں یا ترتیب میں کوئی غلطی ہو ہمیں فوراً مطلع کریں۔ تاکہ آئندہ فہرست زیادہ صحیح اور مکمل ہو سکے۔

جواد

اعلیٰ تعلیم و ملازمت (بیرونی ممالک)

انجینیرنگ

۱۔ ہمایوں اختر۔ ایم۔ایس (کیمیکل) فائنل ٹیکنیکل ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں (انگلینڈ)

۲۔ علاؤالدین صاحب بقائی۔ ایم۔ایس فائنل (سول) امریکہ۔

۲۔ مطلوب حسین صاحب۔ ایم۔ایس۔ سال اول (مکنیکل) امریکہ

۴۔ شمس الدین صاحب بقائی۔ بی۔ایس (پٹرولیم) کینیڈا

۵۔ احسن الدین صاحب بقائی۔ بی۔ایس (مکنیکل) امریکہ

۶۔ محمد عاشقین صاحب۔ ایم۔ ایس (کیمیکل) امریکہ

۷۔ مظفرالدین احمد صاحب بقائی۔ بی۔ایس (انگلینڈ)

۸۔ علاء الدین جاوید (کومن ویلتھ اسکالرشپ) ایم۔ایس (الیکٹرونکس) انگلینڈ

میڈیکل

۱۔ ڈاکٹر معین بقائی ۔ ڈی ۔ او (انگلینڈ)
۲۔ ڈاکٹر منظور احمد بقائی ۔ پریکٹس (انگلینڈ)
۳۔ ڈاکٹر مزمل الدین بقائی ۔ ایم۔آر۔سی۔پی ۔

۱۔ مس حسینہ پروین صاحبہ ۔ پی۔ایچ۔ڈی (باٹنی) انگلینڈ
۲۔ اعظم الدین صاحب بقائی ۔ ایم۔ایس (فارماسوٹیکل کیمسٹری) سال اول (کینیڈا)
۳۔ محمد عاشقین صاحب ارتقائی۔ کاسٹ اکاؤنٹینسی (فائنل ائر) انگلینڈ
۴۔ عبدالعزیز صاحب ۔ کاسٹ اکاؤنٹینسی (انگلینڈ)
۵۔ محمد احمد صاحب کاسٹ سروس اکاؤنٹینسی)
۶۔ ارشاد حسین صاحب بقائی ۔ سروس (ڈی۔این۔او)

انجینئرنگ

۱۔ فیروز الدین صاحب ۔ بی۔ای (سول)
۲۔ نصیر الدین صاحب بقائی ۔ بی۔ای (الیکٹریکل)
۳۔ خالد کوثر صاحب ۔ بی۔ای ۔ (الیکٹریکل)
۴۔ جواد حسین صاحب اعجازی بی۔ای۔ (مکینیکل)
۵۔ محمد شاہد صاحب ذکائی ۔ بی۔ای۔ (سول)
۶۔ عاصم حسین صاحب ۔ بی۔ای (〃)
۷۔ انتظار احمد صاحب ۔ بی۔ای (〃)
۸۔ وصی الدین صاحب بقائی ۔ بی۔ای (〃)
۹۔ مظاہر کمال صاحب اعجازی ۔ بی۔ای (الیکٹریکل)
۱۰۔ ہارون اختر صاحب ۔ ایس۔ای۔(مکینیکل)
۱۱۔ مسعود الٰہی صاحب ۔ ایس۔ای۔(〃)
۱۲۔ سردار احمد صاحب ۔ ایس۔ای (〃)
۱۳۔ محمد صابر صاحب ۔ ایس۔ای (〃)

ڈپلوما۔ انجینئرنگ

۱۔ حسین احمد گلزار صاحب (سال اول) (ٹیکسٹائل)
۲۔ احمد شجاع صاحب (سال اول) (ٹیکسٹائل)
۳۔ رفیع الدین صاحب بقائی (سال اول) (ٹیکسٹائل)
۴۔ راشد صلاح الدین صاحب بقائی سال دوم

میڈیکل

۱۔ ضیاء الانصار صاحب ذکائی ۔ ایم۔بی۔بی۔ایس (فائنل)
۲۔ انصار احمد صاحب ۔ ایم۔بی۔بی۔ایس (فورتھ ایر)

۳۔ اظہر صاحب بقائی۔ ایم۔بی۔بی۔ایس (تھرڈایئر)

۴۔ فرزانہ صاحبہ بقائی۔ ایم۔بی۔بی۔ایس (فورتھ ایئر)

ایل۔ایل۔بی

۱۔ سلطان احمد صاحب (سالِ اول)

۲۔ انیسہ سلطان صاحبہ (")

پی۔آئی۔آئی۔اے۔
(کاسٹ اکاؤنٹینسی)

۱۔ اقبال احمد صاحب ذکائی

ایم۔اے۔ (فائنل)

۱۔ انوار الدین صاحب۔

۲۔ ریحانہ صاحبہ بقائی۔

۳۔ ساجدہ معین صاحبہ

۴۔ انیس سلطانہ صاحبہ (راولپنڈی)

۵۔ شگفتہ بیگم صاحبہ (سکھر)

ایم اے۔ (سال اول)

۱۔ سلطان احمد صاحب

۲۔ زبیر احمد صاحب

۳۔ منظور الٰہی صاحب

۴۔ طاہر احمد صاحب ذکائی

۵۔ درخشاں صاحبہ

۶۔ فریدہ اختر صاحبہ

بی۔ایس۔سی۔ (آنرز)

۱۔ ایاز احمد صاحب

۲۔ اظہر صاحب بقائی

بی۔ایس۔سی (فائنل)

۱۔ محمد نعیم صاحب

۲۔ سلیمہ صاحبہ بقائی

۳۔ صفیہ اختر صاحبہ

بی۔کام۔ (فائنل)

۱۔ نیاب الدین صاحب

۲۔ زاہد حسین صاحب اعجازی (سکھر)

۳۔ احمد جمال صاحب اعجازی (حیدرآباد)

۴۔ مزمل الدین صاحب

۵۔ محمد الیاس صاحب

۶۔ اقبال احمد صاحب ذکائی

۷۔ ناصر محمود صاحب ذکائی

بی۔اے۔ (فائنل)

۱۔ اظہار الدین صاحب

۲۔ جمیل احمد صاحب

CamScanner

بی۔ایس۔سی (سال اول)

۱۔ محمد آصف صاحب
۲۔ جمال کبریا صاحب
۳۔ اخلاق احمد صاحب
۴۔ انعام الہی صاحب
۵۔ محمد علیم صاحب
۶۔ محمد ذکی صاحب
۷۔ رشید الدین صاحب
۸۔ نور الہی صاحب

بی۔کام۔ (سال اول)

۱۔ محمد خالد صاحب بقائیؔ

بی۔اے (سال اول)

۱۔ مہتاب الدین صاحب
۲۔ شاہین صاحب
۳۔ افتخار الدین صاحب
۴۔ ریحانہ صاحبہ
۵۔ ناصرہ خاتون صاحبہ
۶۔ رضوانہ کوثر صاحبہ
۷۔ یاسمین صدیقی صاحبہ (راولپنڈی)

آرکیٹکٹ ڈپلوما (سال اول)

۱۔ سمیع الدین صاحب ذکائیؔ

انٹر سائنس

۱۔ جاوید اشرف صاحب
۲۔ بدر الدین صاحب بقائیؔ
۳۔ شاہین صاحب
۴۔ رخسانہ صاحبہ
۵۔ نسیم فاطمہ صاحبہ
۶۔ سطوت آرا صاحبہ
۷۔ شاہین رفعت صاحبہ ذکائیؔ۔

انٹر کامرس

۱۔ ریاض احمد صاحب
۲۔ شکیل احمد صاحب
۳۔ نثار احمد صاحب
۴۔ ارشد جمال صاحب
۵۔ افتخار احمد صاحب
۶۔ شاہد احمد صاحب
۷۔ ناظم الرحمٰن صاحب (ڈھاکہ)
۸۔ مجیب صاحب
۹۔ جاوید اشرف صاحب۔

انٹر آرٹس

۱۔ ظفر احمد صاحب
۲۔ محمد صالحین صاحب
۳۔ شاہینہ صاحبہ

CamScanner

۴۔ جمیلہ صاحبہ
۵۔ شاہجہاں بیگم
۶۔ عشرت نعیم صاحبہ
۷۔ شہناز بیگم صاحبہ
۸۔ نرگس بانو صاحبہ (حیدر آباد)
۹۔ شاہینہ صاحبہ (راولپنڈی)

فرسٹ ائیر سائنس

۱۔ فیروز احمد صاحب
۲۔ ناظم الدین صاحب
۳۔ فرزانہ کوثر صاحب (ہوم اکنامکس)
۴۔ تسنیم بانو صاحبہ (حیدر آباد)
۵۔ خورشید بانو صاحبہ (لاہور)

فرسٹ ائیر کامرس

۱۔ شاہد حسین صاحب اعجازی
۲۔ محمد یٰسین صاحب
۳۔ تسلیم الدین صاحب
۴۔ راشد حسین صاحب
۵۔ انتظار احمد صاحب
۶۔ ابصار الدین صاحب
۷۔ پرویز اشرف صاحب
۸۔ محمد انیس صاحب

فرسٹ ائیر آرٹس

۱۔ پرویز احمد صاحب
۲۔ محمد الیاس صاحب ذکائی
۳۔ فضل الدین صاحب
۴۔ تحنیت بیگم صاحبہ
۵۔ زاہدہ صاحبہ
۶۔ ناز پروین صاحبہ

پی۔ ٹی۔ سی

۱۔ راشدہ بیگم صاحبہ
۲۔ جواہر سلطانہ صاحبہ
۳۔ شگفتہ بیگم صاحبہ
۴۔ شاہجہاں بیگم صاحبہ

میٹرک

۱۔ محمد ساجد صاحب
۲۔ نثار احمد صاحب
۳۔ محمد طاہر صاحب ذکائی
۴۔ اطہر محمد داؤد صاحب
۵۔ ہلال احمد صاحب
۶۔ نفیس صاحب
۷۔ نعیم الدین صاحب
۸۔ محمد نعیم صاحب
۹۔ محمد متین صاحب

۱۰۔ نور احمد صاحب
۱۱۔ محمد فہیم صاحب
۱۲۔ بلال احمد صاحب
۱۳۔ شاہد محمود صاحب ذکائی
۱۴۔ محمد مرسلین صاحب
۱۵۔ حفیظ الرحمٰن صاحب (ڈھاکہ)
۱۶۔ محمد اختر صاحب
۱۷۔ نسرین اختر صاحبہ
۱۸۔ شگفتہ بیگم صاحبہ
۱۹۔ ناظمہ صاحبہ
۲۰۔ عالمہ صاحبہ
۲۱۔ فرحانہ کوثر صاحبہ
۲۲۔ رخشندہ صاحبہ
۲۳۔ نور النہار بیگم صاحبہ
۲۴۔ شاہدہ صاحبہ
۲۵۔ ریحانہ صاحبہ
۲۶۔ شاہینہ صاحبہ
۲۷۔ عرشیہ بیگم صاحبہ
۲۸۔ نرگس بانو صاحبہ
۲۹۔ رقیہ بیگم صاحبہ۔

- ہر عورت کے لئے خوش اخلاق کے ساتھ ساتھ خوش پوشی بھی ضروری ہے۔
- اچھے لباس پہننے پہنانے کے لئے اسے اچھی طرح سے تیار کرنا بھی ایک آرٹ ہے۔
- اچھے لباس کے لئے اچھا سامان بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے ہم اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔

ہر قسم کی کشیدہ کاری کے لئے بہترین دھاگے

مثلاً :- چھ تاری تارکشی۔ ڈی۔ ایم۔ سی و ایمبرائڈری کی ریل۔ نلکی ریشم۔ نئے نئے ڈیزائن کی کشیدہ کاری کتاب (BOOK) مختلف قسم کے چھوٹے بڑے ہینبی۔ سادہ نائلون کے بٹن۔
ہر قسم کی گھریلو و انڈسٹریل ہوم کی ضروریات کا سامان و نیز ہماری فخریہ پیش کش۔
فیشن مارکہ۔ ڈوری برقعہ۔ گون کاردستہ وغیرہ وغیرہ

مندرجہ بالا سامان ملنے کا پتہ:

فیشن کارنر۔ فریر روڈ بالمقابل آرام باغ کراچی ۱

فون نمبر ۔ ۲۲۳۲۸

اعلان

منجانب :- دہلی حکیمان کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی

سوسائٹی کے ان تمام ممبران کو جنہیں کے ڈی اے اسکیم نمبر ۱۶ فیڈرل بی ایریا میں پلاٹ الاٹ ہو چکے ہیں مطلع یا جاتا ہے کہ مکان کی تعمیر مکمل کرانے کی آخری تاریخ بعد ادائیگی جرمانہ ۳۰ رجون ۷۶ء ہے۔ اگر اس آخری تاریخ تعمیر مکمل نہ ہوئی تو خطرہ ہے کہ کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی متعلقہ پلاٹ کینسل کر دیگی یا اور کوئی سخت قدم اٹھائے گی ں لئے ممبران کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ بلا تاخیر مزید تعمیر شروع کرا دیں۔ جن ممبران نے ابھی تک تعمیری نقشہ بھی منظور نہیں کرائے یں ان کو خود ان کے مفاد میں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ فوری طور سے نقشہ تیار کرا کر کے ڈی اے میں برائے منظوری داخل رادیں اور کم از کم پانی کے اخراجات جمع کرا کرا پنے پلاٹ میں پانی جاری کرالیں۔

سوسائٹی نے طے کیا ہے کہ مکان کی تعمیر کے سلسلہ میں خواہشمند ممبران کو مناسب شرائط پر قرضے بھی دیئے جائیں ہ قرضے کم و بیش انہی شرائط پر ہونگے جس پر ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے قرضے ملتے ہیں۔ کیونکہ سوسائٹی کے وسائل حدود ہیں اس لئے طے پایا ہے کہ فی الحال قرضہ کی یہ رقم پلاٹ کے سائز کے اعتبار سے متعین کی جائے۔ دو سو گز کے پلاٹ ہولڈر کو -/۲۵۰۰۰ روپے، چار سو گز والے کو -/۵۰۰۰۰ روپے، چھ سو گز والے کو -/۷۵۰۰۰ روپے اور ۱۰۰۰ گز والے کو -/۱۰۰۰۰۰ روپے تک قرضہ دئے جاسکتے ہیں۔ مزید تفصیلات اور شرائط کے لئے دفتر سوسائٹی کو رجوع کریں۔

جن ممبران نے الاٹمنٹ سرٹیفکٹ اور قبضہ کے کاغذات ابھی تک حاصل نہیں کئے ہیں ان سے درخواست ہے کہ بلا تاخیر مزید یہ اہم دستاویزات اوقات کار میں سوسائٹی کے دفتر واقع ۲۵ گوردھن داس مارکیٹ سے حاصل کریں۔

چند ممبران کی جانب متعدد یاددہانیوں کے باوجود ابھی تک واجبات بقایا ہیں ان سے پھر درخواست ہے کہ سوسائٹی کے دفتر تشریف لاکر حساب کی جانچ پڑتال کرلیں اور بقایا جات ادا کر دیں ورنہ نتائج کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

آپ اگر اپنے پلاٹ کا پٹہ (LEASE) کرانا چاہیں تو سوسائٹی کو متعلقہ واجبات ادا کر کے ضروری سرٹیفکٹ حاصل کر سکتے ہیں۔ بعد ازاں کے ڈی اے کی دفتری کارروائی کے بعد (LEASE) ہو سکتی ہے۔

سوسائٹی کے کسی بھی معاملہ میں اگر آپ کو معلومات یا تعاون کی ضرورت ہو تو بلا تکلف رجوع فرمائیں، عہدیداران بخوشی ہر ممکن تعاون کے لئے تیار ہیں۔

محمد حنیف - سیکرٹری

بقیہ صفحہ ۶۴ کا

ہے۔ یورپ کی مثال سامنے موجود ہے۔ جہاں طلاقوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

آزادیٔ نسواں کے حامیوں اور پردہ کے مخالفین کو چاہیئے کہ وہ ان ممالک کے تہذیب و تمدن پر غور کریں۔ جہاں پردہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر خود فیصلہ کریں کہ آیا پردہ ہماری تہذیب اور ہمارے معاشرے کے لئے ناگزیر ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد یہ بتا سکتے ہیں کہ مغرب کی اندھی تقلید سے ان کو کیا کیا فوائد اور کیا کیا نقصانات پہنچے ہیں؟

خدا نہ کرے آپ بیمار ہوں

عید کا چاند

مسرتوں کا پیغام لے کر نمودار ہوا۔ اس پُرمسرت موقعہ پر ہم برادرانِ قوم کی صحت و تندرستی کیلئے دعاگو ہیں.

"خدانخواستہ ہو بھی جائیں"۔ تو فکر نہ کریں!۔

ہر قسم کی انگریزی ادویات کے سلسلے میں ہماری خدمات حاضر ہیں۔

سلوانہ میڈیکو

۶۴۔ کٹرک روڈ۔ صدر۔ کراچی

فون نمبر۔ ۷۴۰۰۶